لاحول ولا قوۃ الا باللہ

تفسیر ابن کثیر

(اردو)

جس پر
علمائے اسلام کا اتفاق ہے
کہ
اس کے بعد کی تمام تفاسیر
قرآن اس سے ماخوذ ہیں

پارہ .... (۳۰)

عمّ

جز .... (۳۲)

مصنفہ

علامہ ابن کثیر

ترجمہ قرآن پاک
حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمۃ

حواشی و اضافات
مولانا انظر شاہ کشمیری مدرس دارالعلوم دیوبند
ابن
حضرت مولانا علامہ سید محمد انور شاہ
کشمیری محدث دارالعلوم دیوبند

ناشر
مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

مکتبہ فیض القرآن دیوبند

آپ کی علمی، عصری اور اسلامی ضرورتوں کو پورا کرنے والا، اور صحیح قرآن کریم و پارہ ہائے قرآن مجید مستند و مفید تفاسیر اور اسلامی کتب کو فراہم و شائع کرنے والا اپنی نوعیت کا واحد مرکز ہے اس کی کامیابی و کامرانی کا راز آپ کی مخلصانہ خدمات میں پوشیدہ ہے۔

ناظم کتب خانہ

طبع سوم .... ایک ہزار
مطبوعہ .... آزاد پرنٹنگ پریس دیوبند
ہدیہ .... پانچ روپیے

فہرست مضامین تفسیر ابن کثیر اردو پارہ نمبر ۳۰ جزء ۳۲

تفسیر سورۂ واللیل مکیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانا پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تو نے سَبِّحِ اسْمَ اور وَالشَّمْسِ اور وَاللَّيْلِ سے امامت کیوں نہ کرائی؟

سُورَةُ اللَّيْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	إِحْدٰى وَعِشْرُوْنَ آيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى ﴿۳﴾

قسم ہے رات کی جبکہ وہ (آفتاب کو یا دن کو) چھپالے اور (قسم ہے) دن کی جبکہ وہ روشن ہو جاوے اور (قسم ہے) اس (ذات) کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا

إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ﴿۴﴾ فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿۶﴾

کہ بیشک تمہاری کوششیں (یعنی اعمال) مختلف ہیں سو جس نے (اللہ کی راہ میں مال) دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات (یعنی ملت اسلام) کو سچا سمجھا

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ﴿۷﴾ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ﴿۸﴾ وَكَذَّبَ

تو ہم اس کو راحت کی چیز کے لئے سامان دیدیں گے اور جس نے (حقوق واجبہ میں) بخل کیا اور (بجائے خدا سے ڈرنے کے خدا سے) بے پروائی اختیار کی اور اچھی بات (یعنی اسلام) کو

بِالْحُسْنٰى ﴿۹﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿۱۰﴾ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗ إِذَا تَرَدّٰى ﴿۱۱﴾

جھٹلایا تو ہم اس کو تکلیف کی چیز کیلئے سامان دیدیں گے - اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آویگا جب وہ برباد ہونے لگیگا (بربادی سے مراد جہنم میں جانا ہے)

اندھیری رات

مسند احمد میں ہے کہ حضرت علقمہؒ شام آئے اور دمشق کی مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ خدایا مجھے نیک ساتھی عطا فرما۔ پھر چلے تو حضرت ابو الدرداءؓ سے ملاقات ہوئی پوچھا کہ تم کہاں کے ہو۔ حضرت علقمہؒ نے کہا میں کوفہ کا رہنے والا ہوں، پوچھا کہ ابن ام عبدؓ اس سورت کو کس طرح پڑھتے تھے؟ میں نے کہا وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى ۝ پڑھتے تھے۔ حضرت ابو الدرداءؓ فرمانے لگے کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یونہی سنا ہے اور یہ لوگ مجھے شک وشبہ میں ڈال رہے ہیں پھر فرمایا کیا تم میں تکیئے والے یعنی جن کے پاس سفر میں حضورؐ کا بستر رہتا تھا، اور راز دان ایسے بھیدوں سے واقف جن کا علم اور کسی کو نہیں اور جو شیطان سے بزبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچائے گئے تھے وہ نہیں؟ یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ حدیث بخاری میں بھی ہے اس میں یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے شاگرد اور ساتھی حضرت ابو الدرداءؓ کے پاس آئے آپ بھی انہیں ڈھونڈتے ہوئے پہنچے، پھر پوچھا کہ تم میں حضرت عبد اللہؓ کی قرأت پر قرآن پڑھنے والا کون ہے؟ تو کہا ہم سب ہیں، پھر پوچھا کہ تم سب میں حضرت عبد اللہؓ کی قرأت کو زیادہ یاد رکھنے والا کون ہے؟ لوگوں نے حضرت علقمہؒ کی طرف اشارہ کیا تو ان سے سوال کیا کہ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ۝ کو حضرت عبد اللہؓ سے تم نے کس طرح سنا؟ وہ بولے کہ وہ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى پڑھتے تھے کہا میں نے بھی حضور علیہ السلام سے اسی طرح سنا ہے اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى ۝ پڑھوں، خدا کی قسم میں تو ان کی مانوں گا نہیں۔ الغرض حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابو الدرداءؓ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قرأت یہی ہے اور حضرت ابو الدرداء رضؓ نے تو اسے مرفوع کہا ہے باقی جمہور کی قرأت وہی ہے جو موجودہ قرآنوں میں ہے پس اللہ تعالیٰ رات کی قسم کھاتا ہے جبکہ مخلوق پر چھا جائے، اور دن کی قسم کھاتا ہے جب کہ وہ تمام چیزوں کو اپنی روشنی سے منور کر دے، اور اپنی ذات کی قسم کھاتا ہے جو نر و مادہ کا پیدا کرنے والا ہے، جیسے فرمایا وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ہم نے تمہیں جوڑ جوڑ پیدا کیا ہے، اور فرمایا وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ ہر چیز کے جوڑے ہم نے پیدا کئے ہیں۔ ان متضاد اور ایک دوسرے کے خلاف قسمیں کھا کر فرماتا ہے کہ تمہاری کوششیں اور تمہارے اعمال بھی متضاد اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں، بھلائی کرنے والے بھی ہیں۔ اور برائیوں میں مبتلا رہنے والے بھی ہیں، پھر فرماتا ہے کہ جس نے دیا یعنی اپنے مال کو خدا کے حکم کے ماتحت خرچ کیا، اور پھونک پھونک کر قدم رکھا ہر امر میں خوف خدا کرتا رہا، اور اس کے بدلے کو سچا جانتا رہا اس کے ثواب پر یقین رکھا، حسنیٰ کے معنی لا الٰہ الا اللہ کے بھی کئے گئے ہیں، خدا کی نعمتوں کے بھی کئے گئے ہیں، نماز روزہ زکوٰۃ صدقہ فطر جنت کے بھی مروی ہیں؛

پھر فرماتا ہے کہ ہم اسے آسانی کی راہ آسان کر دیں گے یعنی بھلائی کی اور جنت کی اور نیک بدلے کی، اور جس نے اپنے مال کو راہِ خدا میں نہ دیا اور اللہ تعالیٰ سے بے نیازی برتی اور حسنیٰ کی یعنی قیامت کے بدلے کی تکذیب کی تو اس پر ہم برائی کا راستہ آسان کر دیں گے جیسے فرمایا وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ الخ یعنی ہم اُن کے دل اور اُن کی آنکھیں اُلٹ دیں گے جس طرح وہ پہلی بار قرآن پر ایمان نہ لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں ہی بہکتے رکھیں گے، اس معنے کی آیات قرآن کریم میں جا بجا موجود ہیں کہ ہر عمل کا بدلہ اسی جیسا ہوتا ہے، خیر کا قصد کرنے والے کو توفیق خیر ملتی ہے اور شر کا قصد رکھنے والوں کو اسی کی توفیق ہوتی ہے، اس معنی کی تائید میں یہ احادیث بھی ہیں حضرت صدیق اکبر رضؓ نے ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہمارے اعمال لکھی تقدیر کے ماتحت ہیں یا خود ہماری طرف سے ہیں، آپؐ نے فرمایا بلکہ تقدیر کے لکھے ہوئے کے مطابق، کہنے لگے پھر عمل کی کیا ضرورت، فرمایا ہر شخص پر وہ عمل آسان ہوں گے جس چیز کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے ﷺ (مسند احمد) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بقیع غرقد میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں شریک تھے۔ تو آپؐ نے فرمایا سنو تم میں سے ہر ایک کی جگہ جنت دوزخ میں مقرر کردہ ہے اور لکھی ہوئی ہے لوگوں نے کہا پھر ہم اس پر بھروسہ کر کے بیٹھ کیوں نہ رہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا عمل کرتے رہو ہر شخص کو وہی اعمال راس آئیں گے جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے؟ پھر آپؐ نے یہی آیتیں تلاوت فرمائیں (صحیح بخاری شریف) اسی روایت کے اور طریق میں ہے کہ اس بیان کے وقت آپؐ کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا اور سر نیچا کئے ہوئے زمین پر اُسے پھیر رہے تھے الفاظ میں کچھ کمی بیشی بھی ہے۔ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کا بھی ایک ایسا ہی سوال جیسا کہ اوپر کی حدیث میں حضرت صدیق اکبر رضؓ کا گزرا مروی ہے، اور آپؐ کا جواب بھی انہیں تقریباً ایسا ہی مروی ہے ابن جریر میں حضرت جابر رضؓ سے بھی ایسی ہی روایت مروی ہے۔ ابن جریر کی ایک حدیث میں دو نوجوانوں کا یہی سوال اور حضورؐ کا ایسا ہی جواب مروی ہے۔ اور پھر ان دونوں حضرات کا یہ قول بھی ہے کہ یا رسول اللہ ہم بہ کوشش نیک اعمال کرتے رہیں گے، حضرت ابو الدرداء رضؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر دن غروب کے وقت سورج کے دونوں طرف دو فرشتے ہوتے ہیں وہ با آواز بلند دعا کرتے ہیں جسے تمام چیزیں سنتی ہیں سوائے جنات اور انسان کے کہ "اے اللہ سخی کو نیک بدلہ دے اور بخیل کا مال تلف کر" یہی معنی ہیں قرآن کی ان چار آیتوں کے، ابن ابی حاتم کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں اس پوری سورت کا شانِ نزول یہ لکھا ہے کہ ایک شخص کا کھجوروں کا باغ تھا ان میں سے ایک درخت کی شاخیں ایک مسکین شخص کے گھر میں پڑتی تھیں وہ بیچارہ غریب نیک بخت اور بال بچے دار تھا، باغ والا جب اس درخت کی کھجوریں اُتارنے آتا تو اس مسکین کے گھر جا کر وہاں کی کھجوریں اُتارتا اس میں جو کھجوریں نیچے گرتیں انہیں اس غریب شخص کے بچے چُن لیتے تو یہ آکر اُن سے چھین لیتا بلکہ اگر کسی بچے نے منہ میں ڈال بھی لی تو انگلی

ع ف گویا کہ آپؐ نے سمجھایا کہ نیکی و بدی یہ خود تقدیری ہے جو جیسا کام کر رہا ہے سمجھے کہ وہ بھی اس کی تقدیر میں لکھا ہوا تھا اور جو برائی میں لگا ہو وہ یقیناً بدبخت ہے

ڈال کر اس کے منہ سے نکلوا لیتا۔ اس مسکین نے اس کی شکایت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کی آپؐ نے ان سے تو فرمادیا کہ اچھا تم
جاؤ اور آپؐ اس باغ والے سے ملے اور فرمایا کہ تو اپنا وہ درخت جس کی شاخیں فلاں مسکین کے گھر میں ہیں مجھے دیدے اللہ تعالیٰ اس
کے بدلے تجھے جنت کا ایک درخت دیگا۔ وہ کہنے لگا اچھا حضرتؐ! میں نے دیا مگر مجھے اس کی کھجوریں بہت اچھی لگتی ہیں، میرے
تمام باغ میں ایسی کھجوریں کسی اور درخت کی نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سُنکر خاموشی کے ساتھ واپس تشریف لے چلے۔ ایک شخص جو
یہ بات چیت سُن رہا تھا وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا حضرتؐ اگر یہ درخت میرا ہو جائے اور میں آپؐ کا کردوں تو کیا مجھے
بھی اس کے بدلے جنتی درخت مل سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ یہ شخص اس باغ والے کے پاس آئے ان کا بھی ایک باغ کھجوروں
کا تھا یہ پہلا شخص ان سے وہ ذکر کرنے لگا کہ حضرتؐ مجھے میرے فلاں درخت کھجور کے بدلے جنت کا ایک درخت دینے کو فرما رہے
تھے میں نے یہ جواب دیا، یہ سُنکر خاموش ہو رہے، پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ کیا تم اُسے بیچنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا نہیں، ہاں یہ اور
بات ہے کہ جو قیمت اس کی مانگوں وہ کوئی مجھے دیدے، لیکن کون دے سکتا ہے؟ پوچھا کیا قیمت لینا چاہتے ہو؟ کہا چالیس درخت
خرما کے .... اس نے کہا یہ تو بڑی زبردست قیمت لگا رہے ہو ایک کے چالیس؟ پھر اور باتوں میں لگ گئے
پھر کہنے لگے اچھا میں اسے اتنے ہی میں خریدتا ہوں، اس نے کہا اگر سچ مچ خریدنا ہے تو گواہ کرلو، اس نے چند لوگوں کو بُلا لیا اور معاملے
ہو گیا گواہ مقرر ہو گئے، پھر اسے کچھ سوجھی تو کہنے لگا کہ دیکھئے صاحب جب تک ہم تم الگ نہیں ہوئے یہ معاملہ طے نہیں ہوا اس نے بھی
کہا بہت اچھا میں بھی ایسا احمق نہیں ہوں کہ تیرے ایک درخت کے بدلے جو خم کھایا ہوا ہے اپنے چالیس درخت دیدوں تو یہ کہنے لگا
کہ اچھا اچھا مجھے منظور ہے لیکن درخت جو میں لوں گا وہ تنے والے بہت عمدہ لوں گا، اس نے کہا اچھا منظور، چنانچہ گواہوں کے روبرو
یہ سودا فیصل ہوا، اور مجلس برخاست ہوئی۔ یہ شخص خوشی خوشی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے
یا رسول اللہ! اب وہ درخت میرا ہو گیا اور میں نے اُسے آپؐ کو دیدیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس مسکین کے پاس تشریف لیگئے
اور فرمانے لگے کہ یہ درخت تمہارا ہے اور تمہارے بال بچوں کا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس پر یہ سورت نازل ہوئی ــ
ابن جریر میں ہے کہ یہ آیتیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ آپ مکہ شریف میں ابتدائے
اسلام کے زمانہ میں بڑھیا عورتوں کو اور ضعیف لوگوں کو جو مسلمان ہو جاتے تھے آزاد کردیا کرتے تھے اُس پر ایک مرتبہ آپ کے والد
حضرت ابو قحافہؓ نے جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے کہا کہ بیٹا تم جوان کمزور ہستیوں کو آزاد کرتے پھرتے ہو اس سے یہ اچھا ہو
کہ نوجوان طاقت والوں کو آزاد کراؤ تاکہ وقت پڑنے پر تمہیں کام آئیں تمہاری مدد کریں اور دشمنوں سے لڑیں تو صدیق اکبر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ ابا جی میرا ارادہ دنیوی فائدہ کا نہیں میں تو صرف رضائے رب مرضیٔ مولا چاہتا ہوں، اس بارے میں یہ آیتیں
نازل ہوئیں۔ تَرَدّٰی کے معنے مرنے کے بھی مروی ہیں اور آگ میں گرنے کے بھی۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿١٢﴾ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿١٣﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ

واقعی ہمارے ذمہ راہ کا بتلا دینا ہے اور جیسا راہ کوئی شخص اختیار کریگا ویسا ہی ثمرہ اسکو دیں گے کیونکہ ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا آگے بطور توضیح کے ارشاد ہے کہ میں

نَارًا تَلَظّٰى ﴿١٤﴾ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿١٦﴾ وَ

آگ سے ڈرا چکا ہوں اس میں ہمیشہ کیلئے وہی بدبخت داخل ہوگا جس نے دین حق کو جھٹلایا اور اس سے روگردانی کی اور

سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿١٨﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ

اس کو ایسا شخص دور رکھا جاوے گا جو بڑا پرہیزگار ہے جو اپنا مال محض اس غرض سے دیتا ہے کہ گناہوں سے پاک ہو جاوے اور بجز اپنے عالیشان پروردگار کی رضاجوئی کے اور کسی

مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾

ع ۲۱ / ۱۷

کسی کا احسان نہ تھا کہ (اس دینے سے) اس کا بدلہ اتارنا (مقصود) ہو اور یہ شخص عنقریب خوش ہو جاویگا (یعنی آخرت میں ایسی ایسی نعمتیں ملیں گی)

ہدایت یعنی حلال و حرام کا ظاہر کر دینا ہمارے ذمہ ہے یہ بھی معنے ہیں کہ جو ہدایت پر چلا وہ یقیناً ہم تک پہنچ جائیگا، جیسے فرمایا وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ، آخرت اور دنیا کی ملکیت ہماری ہی ہے، میں نے بھڑکتی ہوئی آگ سے تمہیں ہوشیار کر دیا ہے مسند احمد میں ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے خطبہ کی حالت میں سنا ہے آپؐ بہت بلند آواز سے فرما رہے تھے یہاں تک کہ اس جگہ سے بازار تک آواز پہنچے اور بار بار فرماتے جاتے تھے لوگو میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈرا چکا، لوگو میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈرا رہا ہوں، بار بار یہ فرما رہے تھے، یہاں تک کہ چادر مبارک کندھوں سے سرک کر پیروں میں گر پڑی، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی قیامت کے دن وہ ہوگا جس کے دونوں تلووں تلے دو انگارے رکھ دیئے جائیں گے جس سے اس کا دماغ اُبل رہا ہوگا۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ ہلکے عذاب والا جہنمی وہ ہوگا جس کی دونوں جوتیاں اور دونوں تسمے آگ کے ہوں گے جن سے اس کا دماغ اس طرح اُبل رہا ہوگا جس طرح ہنڈیا میں جوش آ رہا ہو، باوجودیکہ سب سے ہلکے عذاب والا یہی ہے لیکن اس کے خیال میں اس سے زیادہ عذاب والا اور کوئی نہ ہوگا۔ اس جہنم میں صرف وہی لوگ گھیر گھار کر بدترین عذاب کئے جائیں گے جو بدنصیب ہوں جن کے دل میں تکذیب ہو اور جسم سے اسلام پر عمل نہ ہو، مسند احمد کی حدیث میں بھی ہے کہ جہنم میں صرف شقی لوگ جائیں گے۔ لوگوں نے پوچھا شقی کون ہے؟ فرمایا جو اطاعت گزار نہ ہو اور نہ خدا کے خوف سے کوئی بدی چھوڑتا ہو، مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ میری ساری اُمت جنت میں جائیگی۔ سوائے اُن کے جو انکار کریں، لوگوں نے پوچھا منکر کون ہے؟ فرمایا جو میری اطاعت کرے وہ جنت میں گیا اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے انکار کر دیا۔ اور فرمایا جہنم سے دوری اُسے ہوگی جو تقویٰ شعار پرہیزگار خدا کے ڈر والا ہو، جو اپنے مال کو خدا کی راہ میں دے تاکہ خود بھی پاک ہو جائے اور اپنی چیزوں کو بھی پاک کرلے اور دین دنیا میں پاکیزگی حاصل کرلے، یہ اس لئے کسی کے ساتھ سلوک نہیں کرتا کہ اُس کا بھی کوئی احسان اس پر ہے بلکہ اسلئے کہ آخرت میں جنت لے اور وہاں خدا کا دیدار نصیب ہو۔ پھر فرماتا ہے کہ بہت جلد بالیقین ایسی پاک صفتوں والا شخص راضی ہو جائیگا۔ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اُتری ہیں یہاں تک کہ بعض مفسرین نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے، بیشک صدیق اکبرؓ اس میں داخل ہیں اور اس کے عموم میں ساری اُمت سے پہلے ہیں گو الفاظ آیت کے عام ہیں لیکن آپ سب سے اوّل اس کے مصداق ہیں، ان تمام اوصاف میں اور کُل کی کُل نیکیوں میں سب سے پہلے اور سب سے آگے اور سب بڑھ چڑھ کر آپ ہی تھے، آپ صدیق تھے، پرہیزگار تھے سخی تھے اپنے مالوں کو اپنے مولا کی اطاعت میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد میں دل کھول کر خرچ کرتے رہتے تھے، ہر ایک کے ساتھ احسان و سلوک کرتے اور کسی دنیوی فائدے کی اُمید پر نہیں کسی کے احسان کے بدلے نہیں بلکہ صرف خدا کی رضی کے لئے رسولؐ کی فرمانبرداری کے لئے، جتنے لوگ تھے خواہ بڑے ہوں خواہ چھوٹے سب کے سب پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احسانات کے بار تھے، یہاں تک کہ عروہ بن مسعود جو قبیلہ ثقیف کا سردار تھا صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کہ حضرت صدیقؓ نے اُسے ڈانٹا ڈپٹا اور دو باتیں سُنائیں تو اس نے کہا کہ اگر آپ کے احسان مجھ پر نہ ہوتے جس کا بدلہ میں نہیں دے سکا تو میں آپ کو ضرور جواب دیتا، پس جب کہ عرب کے سردار اور قبائل عرب کے بادشاہ کے اوپر آپ کے اس قدر احسان تھے کہ وہ سر نہیں اُٹھا سکتا تھا تو بھلا اوروں کی کیا شمار؟ اسی لئے یہاں بھی فرمایا گیا کہ کسی کے احسان کا بدلہ انھیں دینا نہیں بلکہ صرف دیدار خدا کی خواہش ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جو شخص جوڑا خدا کی راہ میں خرچ کرے اُسے جنت کے دار وغے پکاریں گے

کہ اے اللہ کے بندے ادھر سے آؤ۔ یہ دروازہ سب سے اچھا ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یارسول اللہ کوئی ضرورت تو ایسی نہیں لیکن فرمایئے کوئی ایسا بھی ہے جو جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے! آپ نے فرمایا ہاں ہے اور مجھے خدا سے اُمید ہے کہ تم اُن میں سے ہو۔ الحمدللہ سورۂ واللیل کی تفسیر ختم ہوئی۔ خدا کا احسان ہے اور اس کا شکر ہے ؛

تفسیر سورۂ والضحیٰ مکیہ

ف اسماعیل بن قسطنطین اور شبل بن عباد کے سامنے حضرت عکرمہؓ تلاوت قرآن کر رہے تھے جب اس سورت تک پہنچے تو دونوں نے فرمایا کہ اب سے آخر تک ہر سورت کے خاتمہ پر اللہ اکبر کہا کرو۔ ہم نے ابن کثیرؒ کے سامنے پڑھا تو اُنھوں نے ہمیں یہی فرمایا اور اُنھوں نے فرمایا کہ ہم سے مجاہدؒ نے یہ فرمایا ہے اور مجاہدؒ کو حضرت ابن عباسؓ کی یہی تعلیم تھی اور ابن عباسؓ کو حضرت اُبی بن کعبؓ نے یہی فرمایا تھا اور اُبی بن کعبؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا، امام القرأت حضرت ابوالحسنؒ بھی اس سنت کے راوی ہیں۔ حضرت ابوحاتم رازیؒ اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں اس لئے کہ ابوالحسن ضعیف ہیں، ابوحاتمؒ تو ان سے حدیث ہی نہیں لیتے۔ اسی طرح ابوجعفر عقیلیؒ بھی انھیں منکر الحدیث کہتے ہیں، لیکن شیخ شہاب الدین ابوشامہ شرح شاطبیہ میں حضرت امام شافعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک شخص سے سُنا کہ وہ نماز میں اس تکبیر کو کہتے تھے تو آپ نے فرمایا تو نے اچھا کیا اور سنت کو پہنچ گیا، یہ واقعہ اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہو۔ پھر قاریوں میں اس بات کا بھی اختلاف ہے کہ کس جگہ یہ تکبیر پڑھے اور کس طرح پڑھے، بعض تو کہتے ہیں وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ کے خاتمہ سے، بعض کہتے ہیں والضحیٰ کے آخر سے، پھر بعض تو کہتے ہیں صرف اللہ اکبر کہے، بعض کہتے ہیں کہ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہے، بعض قاریوں نے سورۂ والضحیٰ سے ان تکبیروں کے کہنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ جب وحی کے آنے میں دیر لگی اور کچھ مدت حضورؐ پر وحی نہ اُتری پھر حضرت جبرئیلؑ آئے اور یہی سورت لائے تو خوشی اور فرحت کے باعث آپؐ نے تکبیر کہی لیکن یہ کسی ایسی اسناد کے ساتھ مروی نہیں جس سے صحت و ضعف کا پتہ چل سکے، واللہ اعلم۔

سورۃ الضحیٰ مکیۃ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	وهي احدى عشرة آية

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَالضُّحٰى ① وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ② مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ③ وَ

قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جبکہ وہ قرار پکڑے (آگے جواب قسم ہے) کہ آپ کے پروردگار نے نہ آپکو چھوڑا اور نہ (آپ سے) دشمنی کی اور

لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ④ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ

آخرت آپکے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے (پس وہاں آپ کو اس سے زیادہ نعمتیں ملیں گی) اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو (آخرت میں بکثرت نعمتیں) دیگا

فَتَرْضٰى ⑤ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ⑥ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا

سو آپ خوش ہو جاویں گے کیا اللہ تعالیٰ نے آپکو یتیم نہیں پایا پھر (آپکو) ٹھکانا دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا

فَهَدٰى ⑦ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ⑧ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ⑨

سو (آپ کو شریعت کا) رستہ بتلا دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا سو مالدار بنا دیا تو آپ (اس کے شکریہ میں) یتیم پر سختی نہ کیجئے

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ ۱ ع ۱۸

اور سائل کو مت جھڑکئے (یہ تو شکر فعلی ہے) اور اپنے رب کے انعامات (مذکورہ) کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے (یعنی زبان سے قولی شکر بھی کیجئے)

قسم ہے دن کے اُجالے کی

مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور ایک یا دو راتوں تک آپ تہجد کی نماز کے لئے نہ اٹھ سکے تو ایک عورت کہنے لگی کہ تجھے تیرے شیطان نے چھوڑ دیا اس پر یہ اگلی آیتیں نازل ہوئیں، (بخاری مسلم وغیرہ) حضرت جندبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیلؑ کے آنے میں کچھ دیر ہوئی تو مشرکین کہنے لگے کہ یہ تو چھوڑ دیئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے وَالضُّحٰی سے ماقلٰی تک کی آیتیں نازل کیں، اور روایت میں ہے کہ حضورؐ کی انگلی پر پتھر مار اگیا تھا۔ جس سے خون نکلا اور جس پر آپ نے فرمایا۔ هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ ۞ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ ۔ یعنی تو صرف ایک انگلی ہے اور راہِ خدا میں تجھے یہ زخم لگا ہے۔ طبیعت ناساز ہو جانے کی وجہ سے دو تین رات آپؐ بیدار نہ ہوئے جس پر اُس عورت نے وہ ناشائستہ الفاظ نکالے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں کہا گیا ہے کہ یہ عورت ابولہب کی بیوی اُمِّ جمیل تھی اُس پر خدا کی مار، آپؐ کی انگلی کا زخمی ہونا اور اس موزوں کلام کا بے ساختہ زبانِ مبارک سے ادا ہونا تو صحیحین میں بھی ثابت ہے لیکن ترکِ قیام کا سبب اسے بتانا اور اس پر ان آیتوں کا نازل ہونا یہ صحیح نہیں ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا تھا کہ آپؐ کا رب آپؐ سے کہیں ناراض نہ ہو گیا ہو؟ اس پر یہ آیتیں اُتریں۔ اور روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السّلام کے آنے میں دیر ہوئی تو حضورؐ بہت گھبرائے

ع ۱۳ قبل ہجرت میں ایک بار ایسا ہوا کہ کسی وجہ کر "وحی" کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ اسلام اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ مخالف، جو اس طرح کے مواقع کی تاک میں رہتے طرح طرح کی باتیں کہنے لگے اسی عرصہ میں قرآن مجید کی یہ مکمل سورت نازل ہوئی۔ اس میں ارشاد ہے کہ دن کی پھیلی ہوئی اجلی روشنی اور رات کی تاریکی اور اس کا سناٹا اس بات کی خوب شہادت دیتا رہتا ہے کہ آپؐ اے محمدؐ، ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کی عنایات اور افضال کا خاص مورد رہے ہیں۔ اور اسی طرح آئندہ بھی رہیں گے خدا تعالیٰ نے تو کسی بھی پیغمبر کو کبھی نہیں چھوڑا چہ جائیکہ آپ ایسے اولوالعزم اور سرورِ انبیاء کو۔ بلکہ آپ کی زندگی کا ہر دور آپؐ کو اپنی حیاتِ طیبہ کے پہلے دور سے نہایت بہتر اور عمدہ نظر آئیگا۔ آپؐ خود دیکھئے کہ آپؐ دنیا میں تشریف لائے تو آپؐ یتیم تھے بے سروسامان اور بے بس، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کا وہ زمانہ کیسے آرام و راحت سے گزروایا، دادا کے قلب میں بے پناہ محبت، پھر چچا کے دل میں شفقت، دائی حلیمہ کے چہیتے، اور اعزہ و اقارب کے نورِ نظر (الم یجدك یتیما فاوی) کا یہی مطلب ہے۔

پھر غور کیجئے کہ آپؐ ابتداء ہی دین کی اصولی باتوں سے کس قدر ناواقف تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ آپؐ کو دین سکھایا بلکہ آخری دین پسندیدہ مذہب اور ملتِ ابراہیمی کا معمار آپؐ کی شخصیتِ کاملہ کو بنایا ولی ہی ضلالت کے معنی حیرانی و پریشانی کے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ مبعوث۔ پیغمبر کی حیثیت سے بعد میں ہوئے لیکن قوم کی اصلاح کی فکر آپؐ کو اپنی زندگی کے ابتدائی منزل ہی میں تھی اور یہ فکر آپؐ کو ہمیشہ سرگرداں رکھتی۔ (ووجدك ضالا فهدى) کا یہی مطلب ہے۔

پس زندگی کے ان اتار چڑھاؤ میں آپؐ غور کریں گے تو صاف نظر آیا کہ بے پناہ عنایات الٰہی ہمیشہ آپؐ کے ساتھ ہیں تو کس قدر بدباطن ہیں وہ لوگ جو آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے ان روشن نقوش کو دیکھنے کے باوجود وحی کے ایک عارضی وقفہ پر یہ حماقت خیز باتیں بنانے لگے

(۲) پھر آپؐ ان ہرزہ سراؤں کی بے ہودہ باتوں کو تو چھوڑیئے کچھ مفید اور کارآمد باتیں سنئے۔ دیکھئے آپؐ نے یتیمی کا درد دیکھا ہے ہزار آرام و راحت لیکن یتیمی پھر یتیمی ہے سو آپؐ اپنی شفقت اور دلسوزی کے اعتبار سے یتیم کی اصلاحِ احوال کی ایک انجمن بن جایئے۔

غربت و ناداری، جسکا کچھ اندازہ آپؐ بھی کر چکے ہیں اور جانتے ہیں کہ بے کسی کی زندگی کس قدر دلدوز ہوتی ہے اسلئے غریبوں اور بے کسوں کے والی آپؐ سے بڑھکر کون ہو سکتا ہے اس خاکسار محشی کے ذہن میں آتا ہے کہ آیات ہیں گویا کہ اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ آپؐ پر بظاہر جو کچھ پریشانیوں کے دور آئے مثلاً یتیمی، ناداری وغیرہ سو وہ بھی آپ کے حق میں نعمت ہی تھی اسلئے زندگی کی ان تلخیوں کو چکھنے کے بعد باقی صفحہ پر

اس پر حضرت خدیجہؓ نے یہ سبب بیان کیا اور اس پر یہ آیتیں اتریں، یہ دونوں روایتیں مرسل ہیں اور حضرت خدیجہؓ کا نام تو اس میں محفوظ نہیں معلوم ہوتا، ہاں یہ ممکن ہے کہ بی بی صاحبہ نے افسوس اور رنج کے ساتھ یہ فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔ ابن اسحٰقؒ اور بعض اور سلف نے فرمایا ہے کہ جب حضرت جبرئیلؑ اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوئے تھے اور بہت ہی قریب ہو گئے تھے اس وقت اسی سورت کی وحی نازل فرمائی تھی۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ وحی کے رک جانے کی بنا پر مشرکین کے اس ناپاک قول کے رد میں یہ آیتیں اتریں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے دھوپ چڑھنے کے وقت کی دن کی روشنی اور رات کے سکون اور اندھیرے کی قسم کھائی جو قدرت قادر اور خلق خالق کی صاف دلیل ہے جیسے اور جگہ ہے وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ۝ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ۝ اور جگہ ہے فَالِقُ الْإِصْبَاحِ الخ مطلب یہ ہے کہ اپنی اس قدرت کا یہاں بھی بیان کیا ہے پھر فرماتا ہے کہ تیرے رب نے نہ تو تجھے چھوڑا نہ تجھ سے دشمنی کی، تیرے لئے آخرت اس دنیا سے بہت بہتر ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں سب سے زیادہ زاہد تھے اور سب سے زیادہ تارک دنیا تھے آپؐ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے پر یہ بات ہرگز مخفی نہیں رہ سکتی، مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ بوریئے پر سوئے جسم مبارک پر بوریئے کے نشان پڑ گئے جب بیدار ہوئے تو میں آپؐ کی کروٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا اور کہا حضورؐ ہمیں کیوں اجازت نہیں دیتے کہ اس بوریئے پر کچھ بچھا دیا کریں۔ حضورؐ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا واسطہ؟ میں کہاں دنیا کہاں؟ میری اور دنیا کی مثال تو اس راہرو سوار کی طرح ہے جو کسی درخت تلے ذرا سی دیر ٹھیر جائے پھر اسے چھوڑ کر چل دے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور حسن ہے، پھر فرمایا تیرا رب تجھے آخرت میں تیری امت کے بارے میں اس قدر نعمتیں دے گا کہ تو خوش ہو جائے ان کی بڑی تکریم ہوگی اور آپؐ کو خاص کر کے حوض کوثر عطا فرمایا جائے گا جس کے کنارے پر کھوکھلے موتی کے خیمے ہوں گے جس کی مٹی خالص مشک ہوگی، یہ حدیثیں عنقریب آرہی ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ایک روایت میں ہے کہ جو خزانے آپؐ کی امت کو ملنے والے تھے وہ ایک ایک کر کے آپؐ پر ظاہر کئے گئے۔ آپؐ بہت خوش ہوئے اس پر یہ آیت اتری، جنت میں ایک ہزار محل آپؐ کو دیئے گئے ہر ہر محل میں پاک بیویاں اور بہترین خادم ہیں، ابن عباسؓ تک اس کی سند صحیح ہے اور بظاہر ایسی بات بغیر حضورؐ سے سنے روایت نہیں ہو سکتی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضورؐ کی رضامندی میں سے یہ بھی ہے کہ آپؐ کے اہل بیت میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے، حسنؒ فرماتے ہیں اس سے مراد شفاعت ہے۔ ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہم وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت دنیا پر پسند کر لی ہے، پھر آپؐ نے آیت وَلَسَوْفَ کی تلاوت فرمائی۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں جتاتا ہے، پہلی نعمت یہ بیان فرمائی کہ آپؐ کی یتیمی کی حالت میں خدائے تبارک و تعالیٰ نے آپؐ کا بچاؤ کیا اور آپؐ کی حفاظت کی اور پرورش کی اور جگہ عنایت فرمائی۔ آپؐ کے والد کا انتقال تو آپؐ کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکا تھا بعض کہتے ہیں کہ ولادت کے بعد ہوا۔ چھ سال کی عمر میں والدہ صاحبہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب آپؐ دادا صاحب کی کفالت میں تھے لیکن جب آٹھ سال کی آپؐ کی عمر ہوئی تو دادا کا سایہ بھی اٹھ گیا، اب آپؐ اپنے چچا ابو طالب کی پرورش میں آئے، ابو طالب آپؐ کی نگرانی اور امداد دیتا رہے، آپؐ کی پوری توقیر و عزت کرتے اور قوم کی مخالفت کے چڑھتے طوفان کو روکتے رہتے تھے اور خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے بطور ڈھال کے پیش کر دیا کرتے تھے، کیونکہ چالیس سال کی عمر میں آپؐ کو نبوت مل چکی تھی، اور قریش سخت تر مخالف بلکہ دشمن جان ہو گئے تھے ابو طالب باوجود بت پرست مشرک ہونے کے آپؐ کا ساتھ دیتا تھا اور مخالفین سے لڑتا بھڑتا رہتا تھا، یہ بھی منجانب اللہ حسن تدبیر کہ آپؐ کی یتیمی کے ایام اسی طرح گزارے اور مخالفین سے آپؐ کی خدمت اس طرح لی، یہاں تک کہ ہجرت سے کچھ

(باقی حاشیہ صفحہ ۹) دوسروں کی تلخ زندگی میں امداد و اعانت کے جو طریقے آپؐ جان سکتے ہیں یا جس طرح آپؐ ان کی امداد کر سکتے ہیں وہ کسی اور کو کہاں نصیب تو مخالفین کا یہ استدلال کہ معاذ اللہ آپؐ شروع ہی سے بد قسمت یا خدا تعالیٰ کے معتوب ہیں کتنا غلط اور ناروا خیال ہے۔

اے اللہ اگر یہ مطلب صحیح ہو تو "فمنک" اور اگر غلط ہو تو "منی و من الشیطان"

پہلے ابو طالب بھی فوت ہو گئے، اب سفہاء و جہلاء قریش اٹھ کھڑے ہوئے تو پروردگار عالم نے آپؐ کو مدینہ شریف کی طرف ہجرت کرنے کی رخصت عطا فرمائی اور اوس و خزرج جیسی قوموں کو آپؐ کا انصار بنا دیا۔ ان بزرگوں نے آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو جگہ دی اور مدد کی حفاظت کی اور مخالفین سے سینہ سپر ہو کر مردانہ وار لڑائیاں کیں اللہ ان سب سے خوش رہے، یہ سب کا سب خدا کی حفاظت اور اس کی عنایت احسان اور اکرام سے تھا۔ پھر فرمایا کہ راہ بھولا پا کر صحیح راستہ دکھایا۔ جیسے اور جگہ ہے مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ الخ یعنی اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح (جبرئیلؑ یا قرآن) کی وحی کی تم یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ایمان کیا چیز ہوتی ہے، نہ کتاب کی خبر تھی بلکہ ہم نے اُسے نور بنا کر جسے چاہا ہدایت کر دی۔ بعض کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ حضورؐ بچپن میں مکہ کی گلیوں میں گم ہو گئے تھے اس وقت خدا نے لوٹا لیا۔ بعض کہتے ہیں کہ شام کی طرف اپنے چچا کے ساتھ جاتے ہوئے رات کو شیطان نے آپؐ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر راہ سے ہٹا کر جنگل میں ڈال دیا پس جبرئیل علیہ السلام آئے اور پھونک مار کر شیطان کو توحبشہ میں ڈال دیا اور سواری کو راہ پر لگا دیا۔ بغوی نے یہ دونوں قول نقل کئے ہیں، پھر فرماتا ہے کہ بال بچوں والا ہوتے ہوئے تنگدست پا کر ہم نے آپؐ کو غنی کر دیا پس فقیر صابر اور غنی شاکر ہونے کے درجات آپؐ کو مل گئے۔۔ صلوات اللہ و سلامہٗ علیہ۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب حال نبوت سے پہلے کے ہیں۔ صحیحین وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تونگری مال و اسباب کی زیادتی سے نہیں، بلکہ حقیقی تونگر وہ ہے جس کا دل بے پرواہ ہو۔ صحیح مسلم شریف میں ہے اس نے فلاح پالی۔ جسے اسلام نصیب ہوا، اور کافی ہو جائے اتنا رزق بھی ملا اور خدا کے دیئے ہوئے پر قناعت کی توفیق ملی۔ پھر فرماتا ہے کہ یتیم کو حقیر نہ کر نہ ڈانٹ ڈپٹ کر بلکہ اس کے ساتھ احسان و سلوک کر اور اپنی یتیمی کو نہ بھول، قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یتیم کے لئے ایسا ہو جانا چاہیے جیسے سگا باپ اپنی اولاد پر مہربان ہوتا ہے۔ سائل کو نہ جھڑک۔ جس طرح تم بے راہ تھے اور خدا نے ہدایت دی تو اب جو تم سے علمی باتیں پوچھے صحیح راستہ دریافت کرے تو تم اُسے ڈانٹ ڈپٹ نہ کرو۔ غریب مسکین ضعیف بندوں پر تکبر تجبر نہ کرو۔ انہیں ڈانٹو ڈپٹو نہیں، برا بھلا نہ کہو، سخت سست نہ بولو، اگر مسکین کو کچھ نہ دے سکے تو بھی بھلا اور اچھا جواب دے۔ نرمی اور رحم کے ساتھ لوٹا دے۔ پھر فرمایا کہ اپنے رب کی نعمتیں بیان کرتے رہو۔ یعنی جس طرح تمہاری فقیری کو ہم نے تونگری سے بدل دیا تم بھی ہماری ان نعمتوں کو بیان کرتے رہو، اسی لئے حضورؐ کی دعاؤں میں یہ بھی تھا۔ وَاجْعَلْنَا شٰكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا عَلَيْكَ قَابِلِيْهَا وَ اَتِمَّهَا عَلَيْنَا یعنی خدایا ہمیں اپنی نعمتوں کی شکر گزاری کرنے والا اُن کی وجہ سے تیری ثنا بیان کرنے والا اُن کا اقرار کرنے والا کر دے اور اُن نعمتوں کو ہمیں بھرپور دے، ابونضرہؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ نعمتوں کی شکر گزاری میں یہ بھی داخل ہے کہ اُن کا بیان ہو، مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جس نے تھوڑے پر شکر نہ کیا اس نے زیادہ پر بھی شکر نہیں کیا، لوگوں کی شکر گزاری جس نے نہ کی اس نے خدا کی بھی نہیں کی۔ نعمتوں کا بیان بھی شکر ہے اور اُن کا بیان نہ کرنا ناشکری ہے، جماعت کے ساتھ رہنا رحمت کا سبب ہے اور تفرقہ عذاب کا باعث ہے، اس کی اسناد ضعیف ہے، صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ مہاجرین نے کہا یا رسول اللہ صلعم انصار سارا کا سارا اجر لے گئے فرمایا نہیں جب تک کہ تم ان کے لئے دعا کیا کرو اور اُن کی تعریف کرتے رہو۔ ابوداؤد میں ہے کہ اس نے خدا کی شکر گزاری نہیں کی۔ جس نے لوگوں کی شکر گزاری نہ کی۔ ابوداؤد کی اور حدیث میں ہے کہ جسے کوئی نعمت ملی اور اُس نے اُسے بیان کیا تو وہ شکر گزار ہے اور جس نے اُسے چھپایا اُس نے ناشکری کی۔ اور روایت میں ہے کہ جسے کوئی عطا دی جائے اُسے چاہیے کہ اگر ہو سکے تو بدلہ اتار دے اگر نہ ہو سکے تو اس کی ثنا بیان کرے، جس نے ثنا کی وہ شکر گزار ہوا، اور جس نے اُس نعمت کا اظہار نہ کیا اُس نے ناشکری کی (ابوداؤد) مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہاں نعمت سے مراد نبوت ہے

ف محققین نے لکھا ہے کہ فقیر کو جھڑکنے کی ہر صورت میں ممانعت نہیں ہے اگر کوئی فقیر قوم کو تنگ کرے سمجھانے کے باوجود پیچھا نہ چھوڑے تو اس کو بلاشبہ جھڑک سکتے ہیں۔ دیکھو روح المعانی۔

ایک روایت میں ہے کہ قرآن مراد ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو بھلائی کی باتیں آپ کو معلوم ہیں وہ اپنے بھائیوں سے بھی بیان کرو۔ محمد بن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ جو نعمت و کرامت نبوت کی تمہیں ملی ہے اُسے بیان کرو۔ اُس کا ذکر کرو اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دو، چنانچہ حضورؐ نے اپنے والوں میں سے جن پر آپؐ کو اطمینان ہوتا پوشیدگی سے پہلے پہل دعوت دینی شروع کی اور آپؐ پر نماز فرض ہوئی جو آپؐ نے ادا کی۔ سورۃ والضحیٰ کی تفسیر ختم ہوئی۔ خدا کے احسان پر اُس کا شکر ہے۔

تفسیر سورۃ الم نشرح مکیۃ

سورۃ الانشراح مکیۃ و	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	هِيَ ثَمَانُ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿١﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿٢﴾ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (علم و حلم سے) کشادہ نہیں کر دیا　اور ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا　جس نے آپ کی کمر

ظَهْرَكَ ﴿٣﴾ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿٤﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٥﴾ اِنَّ مَعَ

توڑ رکھی تھی　اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کیا۔　سو بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی (ہونیوالی) ہے　بے شک موجودہ

الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٦﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿٧﴾ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿٨﴾　ع ۱ / ۸ / 19

مشکلات کے ساتھ آسانی ہونیوالی ہے تو آپ جب (تبلیغ احکام سے) فارغ ہو جایا کریں تو دوسری عبادات متعلقہ بذات خاص میں محنت کیا کیجئے اور (جو کچھ مانگنا ہو) اس

ہمارے یہ احسانات یعنی ہم نے تیرے سینے کو منور کر دیا چوڑا کشادہ[ع] اور رحمت و کرم والا کر دیا، اور جگہ ہے فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ الخ یعنی جسے خدا ہدایت دینا چاہتا ہے اُس کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے جس طرح آپؐ کا سینہ کشادہ کر دیا گیا تھا اسی طرح آپؐ کی شریعت بھی سہل نرم اور سہولت والی بنا دی جس میں نہ تو کوئی حرج ہے نہ تنگی نہ ترشی نہ تکلیف اور سختی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد معراج والی رات سینے کا شق کیا جانا ہے جیسے کہ مالک بن صعصعہ کی روایت سے پہلے گزر چکا۔ امام ترمذیؒ نے اُس حدیث کو یہیں ذکر کیا ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ دونوں واقعے مراد ہو سکتے ہیں، یعنی معراج کی رات سینے کا شق کیا جانا اور سینہ کو راز خدا کا گنجینہ بنا دینا۔ واللہ اعلم۔ حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی جرأت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ وہ باتیں پوچھ لیا کرتے تھے جسے دوسرے نہ پوچھ سکتے، ایک مرتبہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر نبوت میں سب سے پہلے آپؐ نے کیا دیکھا، آپؐ سنبھل بیٹھے اور فرمانے لگے ابوہریرہؓ میں دس سال کچھ ماہ کا تھا، جنگل میں کھڑا تھا کہ میں نے اوپر آسمان کی طرف سے کچھ آواز سنی کہ ایک شخص دوسرے سے کہہ رہا ہے کیا یہ وہی ہیں؟ اب دو شخص میرے سامنے آئے جن کے منہ ایسے منور تھے کہ میں نے ایسے کبھی نہیں دیکھے اور ایسی خوشبوئیں آ رہی تھیں

ع شرح صدر دراصل ایک کیفیت ہے جو صوفیاء کے یہاں نہایت مقبول اور بلند نسبت کا نام ہے، شرح صدر کا مطلب خدا تعالیٰ کی دی ہوئی شریعت کے کل و جز پر اس طرح اطمینان کو قلب میں ادنیٰ درجہ کا تامل باقی نہ رہے یہ ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا مرتبہ ہے کہ آپ کو یہ کیفیت بلا طلب عطا ہوئی جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سوال پر دی گئی تھی۔

کہ میرے دماغ نے ایسی خوشبو کبھی نہیں سونگھی اور ایسے کپڑے پہنے ہوئے تھے کہ میں نے کبھی کسی پر ایسے کپڑے نہیں دیکھے، اور آکر انھوں نے میرے دونوں بازو تھام لئے لیکن مجھے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی میرے بازو تھامے ہوئے ہے پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ انھیں لٹادو چنانچہ اس نے لٹا دیا لیکن اس میں بھی نہ مجھے تکلیف ہوئی نہ محسوس ہوا پھر ایک نے دوسرے سے کہا ان کا سینہ شق کرو چنانچہ میرا سینہ چیر دیا لیکن نہ تو مجھے اس میں کچھ دکھ ہوا نہ میں نے خون دیکھا پھر کہا اس میں سے غل و غش حسد و بغض سب نکال دو چنانچہ اس نے ایک خونِ بستہ جیسی کوئی چیز نکالی اور اسے پھینک دیا پھر اس نے کہا اس میں رأفت و رحمت رحم و کرم بھر دو پھر ایک چاندی جیسی چیز جتنی نکالی تھی اتنی ڈال دی پھر میرے دائیں پاؤں کا انگوٹھا ہلا کر کہا جائیے اور سلامتی سے زندگی گزاریئے۔ اب جو میں چلا تو میں نے دیکھا کہ ہر چھوٹے پر میرے دل میں رقت ہے اور ہر بڑے پر رحمت ہے (مسند احمد) پھر فرمان ہے کہ ہم نے تیرا بوجھ اتار دیا یہ اسی معنے میں ہے کہ خدا نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے، جس نے تیری پیٹھ سے آواز نکلوا دی تھی[عـ]۔ اور جس نے تیری کمر کو بوجھل کر دیا تھا، ہم نے تیرا ذکر بلند کیا حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں یعنی جہاں میرا ذکر کیا جائے وہاں تیرا ذکر کیا جائیگا۔ جیسے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر بلند کر دیا، کوئی خطیب کوئی واعظ کوئی کلمہ گو کوئی نمازی ایسا نہیں جو اللہ کی وحدانیت کا اور آپؐ کی رسالت کا کلمہ نہ پڑھتا ہو، ابن جریر میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس حضرت جبرئیلؑ آئے اور فرمایا کہ میرا اور آپؐ کا رب فرماتا ہے کہ میں آپؐ کا ذکر کس طرح بلند کروں؟ آپؐ نے فرمایا خدا ہی کو کامل علم ہے۔ فرمایا جب میں ذکر کیا جاؤں تو آپؐ کا بھی ذکر کیا جائیگا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے اپنے رب سے ایک سوال کیا لیکن نہ کرتا تو اچھا ہوتا۔ میں نے کہا خدایا مجھ سے پہلے نبیوں میں سے کسی کے لئے تو نے ہوا کو تابعدار کر دیا تھا، کسی کے ہاتھوں مُردوں کو زندہ کر دیا تھا۔ تو خدا تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کیا تجھے میں نے یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟ میں نے کہا بیشک فرمایا راہ گم کردہ پا کر میں نے تجھے ہدایت نہیں کی؟ میں نے کہا بیشک فرمایا کیا فقیر پا کر غنی نہیں بنا دیا؟ میں نے کہا بیشک، فرمایا کیا میں نے تیرا سینہ کھول نہیں دیا؟ کیا میں نے تیرا ذکر بلند نہیں کیا؟ میں نے کہا بیشک کیا ہے۔ ابونعیم دلائل نبوت میں لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں فارغ ہوا اس چیز سے جس کا حکم مجھے میرے رب عز وجل نے کیا تھا آسمان اور زمین کے کام سے تو میں نے کہا خدایا مجھ سے پہلے جتنے انبیاءؑ ہوئے ان سب کی تو نے تکریم کی، ابراہیمؑ کو خلیل بنایا، موسیٰؑ کو کلیم بنایا، داؤدؑ کے لئے پہاڑوں کو مسخر کیا، سلیمانؑ کے لئے ہواؤں کو تابعدار بنایا اور شیاطین کو بھی، عیسیٰؑ کے ہاتھ پر مُردے زندہ کرائے ہیں، پس میرے لئے کیا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تجھے ان سب سے افضل چیز نہیں دی؟ کہ میرے ذکر کے ساتھ ہی تیرا ذکر بھی کیا جاتا ہے اور میں نے تیری اُمت کے سینوں کو ایسا کر دیا کہ وہ قرآن کو ظاہرا پڑھتے ہیں یہ میں نے کسی اگلی امت کو نہیں دیا اور میں نے تجھے عرش کے خزانوں میں سے خزانہ دیا جو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ہے ابنِ عباسؓ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اذان ہے، یعنی اذان میں آپؐ کا ذکر ہے جس طرح حضرت حسانؓ کے شعروں میں ہے۔ ؎

اَغَرُّ عَلَيْهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ — مِنَ اللّٰهِ مِنْ نُوْرٍ يَلُوْحُ وَيَشْهَدُ — وَضَمَّ الْاِلٰهُ اِسْمَ النَّبِيِّ اِلٰى اسْمِهٖ — اِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُ

وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ — فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ

یعنی اللہ تعالیٰ نے مہرِ نبوت کو اپنے پاس کا ایک نور بنا کر آپؐ پر چمکا دی جو آپؐ کی رسالت کی گواہ ہے اپنے نام کے ساتھ اپنے نبیؐ کا نام ملا لیا جب کہ پانچوں وقت مؤذن اَشْهَدُ اَنْ کہتا ہے آپؐ کی عزت و جلال کے اظہار کے لئے اپنے نام سے آپؐ کا نام نکالا دیکھو وہ

عـ یہ صرف ایک قول ہے ورنہ یہاں مفسرین نے دوسرے اقوال بھی ذکر کئے ہیں یعنی قبل موت آپکو اپنی قوم کی تباہ حالی کا فکر تھا خدا تعالیٰ نے آپؐ پر ہدایت کی راہ کھول کر آپؐ کا یہ بوجھ ہلکا کر دیا، نبوت کے بعد آپؐ کو تبلیغ و احکام کا فکر تھا خدا تعالیٰ نے یہ فرما کر کہ آپؐ پر تبلیغ صرف فرض ہے کسی کو مسلمان بنانا نہیں۔ آپؐ کا بوجھ ہلکا کر دیا۔

عرش والا محمود ہے اور آپ محمد ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور لوگ کہتے ہیں کہ اگلوں پچھلوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر بلند کیا اور تمام انبیاء علیہم السلام سے روزِ میثاق میں عہد لیا گیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور اپنی اپنی امتوں کو بھی آپ پر ایمان لانے کا حکم کریں پھر آپ کی اُمت میں آپ کے ذکر کو مشہور کیا کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جائے۔ صرصری نے کتنی اچھی بات بیان فرمائی ہے، فرماتے ہیں کہ فرضوں کی اذان صحیح نہیں ہوتی مگر آپ کے پیارے اور میٹھے نام سے جو پسندیدہ اور اچھے منہ سے ادا ہو، اور فرماتے ہیں کہ تم نہیں دیکھتے کہ ہماری اذان اور ہماری فرض صحیح نہیں ہوتا، جب تک کہ آپ کا ذکر بار بار اُس میں نہ آئے، پھر اللہ تبارک و تعالیٰ تکرار و تاکید کے ساتھ دو دو دفعہ فرماتا ہے کہ سختی کے ساتھ آسانی دشواری کے ساتھ سہولت ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے سامنے ایک پتھر تھا پس لوگوں نے کہا اگر سختی آئے اور اس پتھر میں گھس جائے تو آسانی بھی آئیگی اور اسی میں جائیگی اور اُسے نکال لائیگی اس پر یہ آیت اُتری۔ مسند بزار میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں کہ اگر دشواری اس پتھر میں داخل ہو جائے تو آسانی آکر اُسے نکالے گی، پھر آپؐ نے اس آیت کی تلاوت کی، یہ حدیث صرف عائذ بن شریح حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان کے بارے میں ابو حاتم رازیؒ کا فیصلہ ہے کہ ان کی حدیث میں ضعف ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ موقوف مروی ہے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے تھے کہ ایک سختی دو آسانیوں پر غالب نہیں آ سکتی، حضرت حسنؒ سے ابن جریرؒ میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن شاداں و فرحاں آئے۔ اور ہنستے ہوئے فرمانے لگے ہرگز ایک دشواری دو نرمیوں پر غالب نہیں آ سکتی، پھر اس آیت کی آپؐ نے تلاوت کی۔ یہ حدیث مرسل ہے، حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کو خوشخبری سنائی کہ دو آسانیوں پر ایک سختی غالب نہیں آ سکتی مطلب یہ ہے کہ عسرہ کے لفظ کو تو دونوں جگہ معرفہ لائے ہیں۔ تو وہ مفرد ہوا۔ اور یسر کے لفظ کو نکرہ لائے ہیں تو وہ متعدد ہو گیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ معونت یعنی امداد خدا بقدرِ مؤنۃ یعنی تکلیف کے آسمان سے نازل ہوتی ہے اور صبر مصیبت کے مقدار پر نازل ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

صَبْرًا جَمِيْلًا مَا اَقْرَبَ الْفَرَجَا ⁂ مَنْ رَاقَبَ اللّٰهَ فِي الْاُمُوْرِ نَجَا۔

مَنْ صَدَقَ اللّٰهَ لَمْ يَنَلْهُ اَذًى ⁂ وَمَنْ رَجَاهُ يَكُوْنُ حَيْثُ رَجَا

یعنی اچھا صبر کشادگی سے کیا ہی قریب ہے؟ اپنے کاموں میں اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھنے والا نجات یافتہ ہے اللہ تعالیٰ کی باتوں کی تصدیق کرنے والے کو کوئی ایذا نہیں پہنچتی، اس سے بھلائی کی امید رکھنے والا اُسے اپنی اُمید کے ساتھ ہی پاتا ہے حضرت ابو حاتم سجستانی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار ہیں کہ جب مایوسی دل پر قبضہ کر لیتی ہے اور سینہ باوجود کشادگی کے تنگ ہو جاتا ہے تکلیفیں گھیر لیتی ہیں اور مصیبتیں انسان پر چھا جاتی ہیں اور کوئی تدبیر نجات کارگر نہیں ہوتی، اُس وقت اچانک خدا کی مدد آ پہنچتی ہے اور وہ دعاؤں کا سننے والا اللہ رحیم و رحمان اس سختی کو آسانی سے اور اُس تکلیف کو راحت سے بدل دیتا ہے تنگیاں جب کہ بھرپور آ پڑتی ہیں پروردگار معاً کشادگیاں نازل فرما کر نقصان کو فائدہ سے بدل دیتا ہے۔ کسی اور شاعر نے کہا ہے ؎

وَلَرُبَّ نَازِلَةٍ يَضِيْقُ بِهَا الْفَتٰى ⁂ ذَرْعًا وَعِنْدَ اللّٰهِ مِنْهَا الْمَخْرَجُ۔

كَمُلَتْ فَلَمَّا اسْتَحْكَمَتْ حَلَقَاتُهَا ⁂ فُرِجَتْ وَكَانَ يَظُنُّهَا لَا تُفْرَجُ

یعنی بہت سی ایسی مصیبتیں انسان پر نازل ہوتی ہیں جن سے وہ تنگ دل ہو جاتا ہے حالانکہ خدا کے پاس اُن سے چھٹکارا بھی ہے جب یہ مصیبتیں کامل ہو جاتی ہیں اور زنجیر کے حلقے مضبوط ہو جاتے ہیں اور انسان گمان کرنے لگتا ہے کہ بھلا یہ کیا ہٹے گی؟ کہ اچانک اُس رحیم و کریم خدا کی شفقت بھری نظریں پڑتی ہیں اور اُس مصیبت کو اس طرح دور کر دیتا ہے کہ گویا آئی ہی نہ تھی اس کے بعد ارشاد باری

ع یعنی آسانیوں کا پلہ بہرحال بھاری رہیگا۔

ہوتا ہے کہ جب تو دنیوی کاموں سے اور یہاں کے اشغال سے فرصت پائے تو ہماری عبادتوں میں لگ جا اور فارغ البال ہو کر دلی توجہ کر کے ہمارے سامنے عاجزی میں لگ جا، اپنی نیت خالص کر لے، اپنی پوری رغبت کے ساتھ ہماری جناب کی طرف متوجہ ہو جا، اسی کی ہم معنے وہ حدیث ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے جس میں ہے کہ کھانا سامنے موجود ہونے کے وقت نماز نہیں اور اس حالت میں بھی کہ انسان کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو۔ اور حدیث میں ہے کہ جب نماز کھڑی کی جائے اور شام کا کھانا سامنے موجود ہو تو پہلے کھانے سے فراغت حاصل کر لو، حضرت مجاہدؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب امر دنیا سے فارغ ہو کر نماز کے لئے کھڑا ہو تو محنت کے ساتھ عبادت کر اور مشغولیت کے ساتھ رب کی طرف توجہ کر۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب فرض نماز سے فارغ ہو تو تہجد کی نماز میں کھڑا ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہوئے اپنے رب کی طرف توجہ کر۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یعنی دعا کر۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور ضحاک فرماتے ہیں کہ جہاد سے فارغ ہو کر خدا کی عبادت میں لگ جا۔ ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اپنی نیت اور اپنی رغبت خدا ہی کی طرف رکھ۔ الحمدللہ سورۃ الم نشرح کی تفسیر خدا کے فضل و کرم سے ختم ہوئی ؛

تفسیر سورۃ والتین مکیہ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفر میں دو رکعتوں میں سے کسی ایک میں یہ سورت پڑھ رہے تھے میں نے آپؐ سے زیادہ اچھی آواز اور اچھی قرأت کسی کی نہیں سنی۔

سُوْرَۃُ التِّیْنِ مَکِّیَّۃٌ قٓ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | هِیَ ثَمَانُ اٰیَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ① وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ② وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ③

قسم ہے انجیر (کے درخت) کی اور زیتون (کے درخت) کی اور طور سینین کی۔ اور اس امن والے شہر (یعنی مکہ معظمہ) کی

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ④ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ⑤ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ⑥

کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔ پھر ان میں جو بوڑھا ہو جاتا ہے ہم اس کو پستی کی حالت والوں سے بھی پست تر کر دیتے ہیں لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے تو ان کے لئے اس قدر ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا

فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ⑦ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ ⑧

ع ۱ / ۲۰

پھر کون چیز تجھ کو قیامت کے بارے میں منکر بنا رہی ہے کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھکر حاکم نہیں ہے

ع: شریعت چاہتی ہے کہ مسلمان پوری فراغت قلب کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت کرے اور اگر تقاضائے حاجت کی ضرورت ہو یا بھوک اور پیاس لگ رہی ہو تو آدمی دل سے عبادت میں مشغول نہیں ہو سکتا اسلئے ایسے تقاضوں کے وقت میں ادائیگی نماز سے بچنا چاہیے۔

اور قسم ہے اُس بلد امین کی

تینؔ سے مراد کسی کے نزدیک تو مسجد دمشق ہے، کوئی کہتا ہے خود دمشق مراد ہے، کسی کے نزدیک دمشق کا ایک پہاڑ مراد ہے، بعض کہتے ہیں کہ اصحاب کہف کی مسجد مراد ہے، کوئی کہتا ہے جودی پہاڑ پر جو مسجد نوح ہے وہ مراد ہے، بعض کہتے ہیں کہ انجیر مراد ہے زیتون سے کوئی کہتا ہے مسجد بیت المقدس مراد ہے کسی نے کہا وہ زیتون جسے نچوڑتے ہو۔ طورِ سینین وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰؑ سے خدا تعالیٰ نے کلام کیا تھا۔ بَلَدُ الْاَمِیْنِ سے مراد مکہ شریف ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ بعض کا قول یہ ہے کہ یہ تینوں وہ جگہیں ہیں جہاں تین اولوالعزم صاحب شریعت پیغمبرؑ بھیجے گئے ہیں۔ تین سے مراد تو بیت المقدس ہے جہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اور طور سینین سے مراد طور سینا ہے جہاں حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے خدا تعالیٰ نے کلام کیا تھا، اور بلد امین سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے۔ توراۃ کے آخر میں بھی ان تینوں جگہوں کا نام ہے اس میں ہے کہ طور سینا سے اللہ تعالیٰ آیا، یعنی وہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدا تعالیٰ نے کلام کیا اور ساعیر یعنی بیت المقدس کے پہاڑ سے اس نے نور چمکایا، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہاں بھیجا۔ اور فاران کی چوٹیوں پر وہ بلند ہوا یعنی مکہ کے پہاڑوں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ پھر ان تینوں زبردست بڑے مرتبے والے پیغمبروں کی زمانی اور وجودی ترتیب بیان کردی، اسی طرح یہاں بھی پہلے جس کا نام لیا اس سے زیادہ شریف چیز کا نام پھر لیا۔ پھر ان دونوں سے بزرگ تر چیز کا نام آخر میں لیا۔ پھر ان قسموں کے بعد بیان فرمایا کہ انسان کو اچھی شکل و صورت میں صحیح قد و قامت والا درست اور سڈول اعضاء والا خوبصورت اور پر رونق چہرے والا پیدا کیا۔ پھر اسے نیچوں سے نیچا کردیا، یعنی جہنمی ہوگیا، اگر خدا کی اطاعت اور رسولؐ کی اتباع نہ کی تو، اسی لئے ایمان والوں کو اس سے الگ کرلیا، بعض کہتے ہیں کہ مراد بڑھاپے کی طرف لوٹا دینا ہے حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ جس نے قرآن جمع کیا وہ رذیل عمر کو نہ پہنچے گا۔ امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں، لیکن اگر یہی بڑھاپا مراد ہوتا تو مومنوں کا استثناء کیوں ہوتا۔ بڑھاپا تو بعض مومنوں پر بھی آتا ہے، پس ٹھیک بات وہی ہے جو اوپر ہم نے ذکر کی، جیسے اور جگہ سورۂ وَالْعَصْرِ میں ہے کہ تمام انسان نقصان میں ہیں سوائے ایمان اور اعمالِ صالح والوں کے، کہ انھیں ایسی نیک جزا ملے گی جس کی انتہا نہ ہو، جیسے پہلے بیان ہوچکا۔ پھر فرماتا ہے اے انسان جب کہ تو اپنی پہلی اور اوّل مرتبہ کی پیدائش کو جانتا ہے تو پھر جزا و سزا کے دن کے آنے پر اور تیرے دوبارہ زندہ ہونے پر تجھے کیوں یقین نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ تو اسے نہیں مانتا حالانکہ ظاہر ہے کہ جس نے پہلی دفعہ پیدا کردیا۔ اس پر دوسری دفعہ کا پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ حضرت مجاہدؒ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ سے پوچھ بیٹھے کہ اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؟ آپ نے فرمایا معاذ اللہ اس سے مراد مطلق انسان ہے عکرمہؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ کیا خدا احکم الحاکمین نہیں ہے؟ وہ نہ ظلم کرے نہ بے عدلی کرے اسی لئے وہ قیامت قائم کرے گا اور ہر ایک ظالم سے مظلوم کا انتقام لے گا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوع حدیث میں گزرچکا ہے کہ جو شخص وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ پڑھے اور اس کے آخر کی آیت اَلَیْسَ اللّٰہُ الخ پڑھے تو کہدے بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ یعنی ہاں اور میں اس پر گواہ ہوں الحمد للہ خدا کے فضل و کرم سے سورۂ والتین کی تفسیر ختم ہوئی۔

لے بعض جدید مفسرین نے انجیر کے لفظ سے "گوتم بدھ" بھی مراد لیا ہے بشرطیکہ گوتم بدھ کی نبوت ثابت ہو۔

تفسیر سورۂ علق مکیّہ

سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً ١٩

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۞ ۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (پرجو) قرآن (نازل ہوا کریگا) اپنے رب کا نام لیکر پڑھا کیجئے (یعنی جب پڑھئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہکر پڑھا کیجئے) جس نے

مِنْ عَلَقٍ ۞ ۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۞ ۳ الَّذِىْ

(مخلوقات کو) پیدا کیا جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے (جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے) وہ ایسا ہے

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۞ ۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۞ ۵

جس نے (لکھنے پڑھنے والوں کو) قلم سے تعلیم دی (اور عموماً) انسان کو (دوسرے ذرائع سے) ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔

پڑھے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی جو خواب آپؐ دیکھتے وہ صبح کے ظہور کی طرح ظاہر ہو جاتا۔ پھر آپؐ نے گوشہ نشینی اور خلوت اختیار کی۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے توشہ لیکر غار حرا میں تشریف لے جاتے اور کئی کئی راتیں وہیں عبادت میں گزارتے پھر تشریف لاتے اور توشہ لیکر چلے جاتے یہاں تک ایک مرتبہ اچانک وہیں بالکل پہلی وحی آئی فرشتہ آپؐ کے پاس آیا اور کہا اقرأ یعنی پڑھیے آپؐ نے فرمایا میں تو پڑھا ہوا نہیں، فرشتے نے مجھے پکڑا اور بھینچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی پھر مجھے چھوڑ دیا اور فرمایا پڑھ۔ میں نے پھر کہا میں پڑھنا نہیں جانتا فرشتے نے مجھے دوبارہ بھینچا جس سے مجھے تکلیف بھی ہوئی پھر چھوڑ دیا اور فرمایا پڑھو میں نے پھر یہی کہا کہ میں پڑھنے والا نہیں۔ اس نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑ کر دبایا اور تکلیف پہنچائی پھر چھوڑ دیا۔ اور اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ سے مَا لَمْ يَعْلَمْ تک پڑھا آپؐ ان آیتوں کو لئے ہوئے کانپتے ہوئے حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے اور فرمایا مجھے کپڑا اڑھا دو چنانچہ کپڑا اڑھا دیا یہاں تک کہ ڈر خوف جاتا رہا تو آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان فرمایا اور فرمایا مجھے اپنی جان جانے کا خوف ہے حضرت خدیجہؓ نے کہا حضورؐ! آپ خوش ہو جائیے خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپؐ کو ہرگز رسوا نہ کریگا، آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں سچی باتیں کرتے ہیں دوسروں کا بوجھ خود اٹھا لیتے ہیں مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق پر دوسروں کی مدد کرتے ہیں، پھر حضرت خدیجہؓ آپؐ کو لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزّیٰ بن قصی کے پاس آئیں جاہلیت کے زمانہ میں یہ نصرانی ہو گئے تھے عربی کتاب لکھتے تھے اور عبرانی میں انجیل لکھتے تھے، بہت بڑی عمر کے بوڑھے تھے آنکھیں جا چکی تھیں حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا کہ اپنے بھتیجے کا واقعہ سنئے۔ ورقہ نے پوچھا بھتیجے! آپؐ نے کیا دیکھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ ورقہ نے سنتے ہی کہا کہ یہی وہ راز دار فرشتہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی خدا کا بھیجا ہوا آیا کرتا تھا کاش کہ میں اس وقت جوان ہوتا، کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا جب کہ آپؐ کو آپؐ کی قوم نکال دیگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے سوال کیا

کہ کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں ایک آپؐ کیا؟ جتنے بھی لوگ آپؐ کی طرح نبوت سے سرفراز ہوئے۔ اُن سب سے دشمنی کی گئی اگر وہ وقت میری زندگی میں آگیا تو میں آپؐ کی پوری پوری مدد کروں گا۔ لیکن اس واقعہ کے بعد ورقہ بہت کم زندہ رہے اور ادھر وحی بھی رُک گئی اور اس کے رُکنے کا حضورؐ کو بڑا قلق تھا۔ کئی مرتبہ آپؐ نے پہاڑ کی چوٹی پر سے اپنے آپ کو گرا دینا چاہا لیکن ہر وقت حضرت جبرئیلؑ آجاتے اور فرما دیتے کہ اے محمدؐ! آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے آپؐ کا قلق اور رنج وغم جاتا رہتا اور دل میں قدرے اطمینان پیدا ہو جاتا اور آرام سے گھر واپس آجاتے، (مسند احمد) یہ حدیث صحیح بخاری شریف، صحیح مسلم شریف میں بھی بروایت زہریؒ موجود ہے، اس کی سند میں، اس کے متن میں، اس کے معانی میں جو کچھ بیان کرنا چاہیے تھا وہ ہم نے اپنی شرح بخاری میں پورے طور پر بیان کر دیا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے والحمد للہ۔ پس قرآن کریم کی باعتبارِ نزول کے سب سے پہلی آیتیں یہی ہیں۔ یہی پہلی نعمت ہے جو خدائے تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعام کی اور یہی وہ پہلی رحمت ہے جو اس ارحم الراحمین نے اپنے رحم وکرم سے ہمیں دی۔ اس میں تنبیہ ہے انسان کی اول پیدائش پر کہ وہ ایک جمے ہوئے خون کے شکل میں تھا اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ احسان کیا کہ اُسے اچھی صورت میں پیدا کیا پھر علم جیسی اپنی خاص نعمت اُسے مرحمت فرمائی اور وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا، علم ہی کی برکت تھی کہ کل انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں میں بھی ممتاز نظر آئے، علم کبھی تو ذہن ہی میں ہوتا ہے اور کبھی زبان پر ہوتا ہے اور کبھی کتابی صورت میں لکھا ہوا ہوتا ہے پس علم کی تین قسمیں ہوئیں ذہنی لفظی اور رسمی، اور رسمی علم ذہنی اور لفظی کو مستلزم ہے لیکن وہ دونوں اسے مستلزم نہیں، اسی لئے فرمایا کہ پڑھ تیرا رب تو بڑے اکرام والا ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔ اور آدمی کو جو وہ نہیں جانتا تھا معلوم کرا دیا ایک اثر میں ہے کہ لکھ لیا کرو، اُسی اثر میں ہے کہ جو شخص اپنے علم پر عمل کرے اُسے اللہ تعالیٰ اس علم کا بھی وارث کر دیتا ہے جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ ﴿٦﴾ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰٓ ﴿٧﴾ إِنَّ إِلَىٰ

سچ مچ بیشک (کافر) آدمی (حد آدمیت) سے نکل جاتا ہے اس وجہ سے کہ اپنے آپ کو (ابنائے جنس سے) مستغنی دیکھتا ہے اے مخاطب عام

رَبِّكَ الرُّجْعَىٰٓ ﴿٨﴾ أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ﴿٩﴾ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰٓ ﴿١٠﴾

تیرے رب ہی کی طرف سب کو لوٹنا ہوگا۔ اے مخاطب (عام) بھلا اس شخص کا حال تو بتلا جو (ہمارے) ایک (خاص) بندہ کو منع کرتا ہے جب وہ (بندہ) نماز پڑھتا

أَرَأَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰٓ ﴿١١﴾ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰٓ ﴿١٢﴾ أَرَأَيْتَ إِن

(ہو) اے مخاطب بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو (جو کہ اس کو لازمی ہے) یا وہ (دوسروں کو) تقوی کی تعلیم دیتا ہو اے مخاطب بھلا یہ تو بتلا کہ اگر

كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰٓ ﴿١٣﴾ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ﴿١٤﴾ كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ

(یا) حق دین کو جھٹلاتا ہو اور (حق سے) روگردانی کرتا ہو کیا اس شخص کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ (اس کے طغیان وغیرہ کو) دیکھ رہا ہے ہرگز (ایسا) نہیں (کرنا

لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ

ہم (اس کی) چوٹی پکڑ کر جو کہ دروغ اور خطا میں آلودہ ہے (جہنم کی طرف) گھسیٹیں گے سو یہ اپنے ہم جلسہ لوگوں کو

نَادِيَهُ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب ۩ ﴿١٩﴾ ع ١٩

بلالے اگر اس نے ایسا کیا تو ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلالیں گے (آگے پھر سرزنش ہے کہ اسکو) ہرگز (ایسا) نہیں (کرنا چاہیے مگر) آپ اس کا کہنا نہ مانیئے اور بدستور

عـہ مفسرین نے ان الفاظ سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ توبہ ہر ایک کی اور ہر وقت مقبول ہے۔

انسان کی طغیانی

فرماتا ہے کہ انسان کے پاس جہاں دو پیسے ہوگئے ذرا فارغ البال ہوا کہ اس کے دل میں کبر و غرور، عُجب و خود پسندی آئی اُسے ڈرتے رہنا چاہیے اور خیال رکھنا چاہیے کہ اسے ایک دن خدا کی طرف لوٹنا ہے، وہاں جہاں اور حساب ہوں گے، مال کی بابت بھی سوال ہو گا کہ لایا کہاں سے اور خرچ کہاں کیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو لالچی ایسے ہیں جن کا پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ ایک طالب علم، دوسرا طالب دنیا، ان دونوں میں بڑا فرق ہے علم کا طالب تو خدا کی رضامندی حاصل کرنے میں بڑھتا رہتا ہے اور دنیا کا لالچی سرکشی اور خود پسندی میں بڑھتا رہتا ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی جس میں دنیاداروں کا ذکر ہے، پھر طالب علموں کی فضیلت کے بیان کی یہ آیت تلاوت کی اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ یہ حدیث مرفوعاً یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے بھی مروی ہے کہ دو لالچی ہیں جو شکم پُر نہیں ہوتے طالب علم اور طالب دنیا۔ اس کے بعد کی آیتیں ابو جہل ملعون کے بارے میں نازل ہوئی ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ میں نماز پڑھنے سے روکتا تھا۔ پس پہلے تو اسے بہترین طریقہ سے سمجھایا گیا کہ جنہیں تو روکتا ہے یہی اگر سیدھی راہ پر ہوں انہی کی باتیں تقویٰ کا حکم کرتی ہوں پھر تو انھیں اگر ڈانٹ ڈپٹ کرے اور خانۂ خدا سے روکے تو تیری بدقسمتی کی انتہا ہے یا نہیں؟ کیا یہ روکنے والا جو ایسے سراپا صداقت کو راہِ حق سے روکنے کے درپے ہے، اتنا بھی نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ اُسے دیکھ رہا ہے اُس کا کلام سُن رہا ہے اور اُس کے کلام اور کام پر اُسے سزا دیگا، اس طرح سمجھا چکنے کے بعد اب ڈرا رہا ہے کہ اگر اس نے اپنی مخالفت اور سرکشی اور ایذا دہی نہ چھوڑی تو ہم بھی اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے جو اقوال میں کاذب اور افعال میں خطا کار ہے، یہ اپنے مددگاروں ہم نشینوں کو قرابت داروں کو کنبہ قبیلے کو بُلا لے دیکھیں تو کون اُس کی مدد کر سکتا ہے، ہم بھی اپنے عذاب کے فرشتوں کو بُلا لیتے ہیں، پھر ہر ایک کو معلوم ہو جائیگا کہ کون جیتا اور کون ہارا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ اگر میں محمد کو (صلی اللہ علیہ وسلم) کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھوں گا تو گردن ناپوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا اگر یہ ایسا کرے گا تو خدا کے فرشتے اسے پکڑ لیں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام مقام ابراہیم کے پاس بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ یہ ملعون آیا اور کہنے لگا کہ میں نے تجھے منع کر دیا پھر بھی تو باز نہیں آتا: اگر اب میں نے تجھے کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو سخت سزا دوں گا وغیرہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے جواب دیا اُس کی بات ٹھکرا دی اور اچھی طرح ڈانٹ دیا۔ اس پر وہ کہنے لگا تو مجھے ڈانٹتا ہے اللہ کی قسم میری ایک آواز پر یہ ساری وادی آدمیوں سے بھر جائیگی۔ اس پر یہ آیت اُتری کہ اچھا تو اپنے حامیوں کو بُلا ہم بھی اپنے فرشتوں کو بُلا لیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ اپنے مددگاروں کو پکارتا تو اُسی وقت عذاب کے فرشتے اُسے پکڑ لیتے (ملاحظہ ہو ترمذی وغیرہ)۔ مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ میں نماز پڑھتے دیکھ لوں گا تو اس کی گردن توڑ دوں گا۔ آپ نے فرمایا اگر وہ ایسا کرتا تو اُسی وقت لوگوں کے دیکھتے ہوئے عذاب کے فرشتے اُسے پکڑ لیتے، اور اسی طرح جب کہ یہودیوں سے قرآن نے کہا تھا کہ اگر تم سچے ہو تو موت مانگو اگر وہ اسے قبول کر لیتے اور موت طلب کرتے تو سارے کے سارے مر جاتے اور جہنم میں اپنی جگہ دیکھ لیتے، اور جن نصرانیوں کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی اگر یہ مباہلہ کے لئے نکلتے تو لوٹ کر نہ اپنا مال پاتے نہ اپنے بال بچوں کو پاتے۔ ابن جریر میں ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ اگر میں آپ کو مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھتا ہوا دیکھ لوں گا تو جان سے مار ڈالوں گا۔ اس پر یہ سورت اُتری، حضور علیہ السلام تشریف لے گئے ابو جہل موجود تھا، اور آپ نے وہیں نماز ادا کی تو لوگوں نے اس بدبخت سے کہا کہ کیوں بیٹھا رہا؟ اُس نے کہا کیا بتاؤں میرے اور اُن کے درمیان فرشتے حائل ہو گئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر ذرا بھی ہاتھ ہلاتا تو لوگوں کے دیکھتے ہوئے فرشتے اُسے ہلاک کر ڈالتے۔ ابن جریر کی ایک روایت میں ہے کہ ابو جہل نے پوچھا کہ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سامنے سجدہ کرتے ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں، تو کہنے لگا خدا کی قسم اگر میرے سامنے اُس نے یہ کیا تو اس کی گردن روند دوں گا۔ اور اُس کے منہ میں مٹی ملا دوں گا۔ اِدھر اس ملعون نے

یہ کہا ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بارک علیہ نے نماز شروع کی۔ جب آپ سجدے میں گئے تو یہ آگے بڑھا لیکن ساتھ ہی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹا۔ اپنے آپ کو بچاتا ہوا نہایت بدحواسی سے پیچھے ہٹا، لوگوں نے کہا کیا ہے؟ کہنے لگا کہ میرے اور حضورؐ کے درمیان آگ کی خندق ہے۔ اور گھبراہٹ کی خوفناک چیزیں ہیں اور فرشتوں کے پر ہیں وغیرہ۔ اس وقت حضورؐ نے فرمایا اگر یہ اور ذرا قریب آجاتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو الگ الگ کر دیتے، پس یہ آیتیں کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی سے آخر سورت تک نازل ہوئیں، خدا ہی کو علم ہے کہ یہ کلام حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے یا نہیں؟ یہ حدیث مسند مسلم نسائی، ابن ابی حاتم میں بھی ہے پھر فرمایا کہ اے نبیؐ! تم اس مردود کی بات نہ ماننا عبادت پر مداومت کرنا اور بکثرت عبادت کرتے رہنا اور جہاں جی چاہے نماز پڑھتے رہنا اور اس کی مطلق پرواہ نہ کرنا اللہ تعالیٰ خود تیرا حافظ و ناصر ہے وہ تجھے دشمنوں سے محفوظ رکھیگا تو سجدے میں اور قرب خدا کی طلب میں مشغول رہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے رب تبارک و تعالیٰ سے بہت ہی قریب ہوتا ہے، پس تم بکثرت سجدوں میں دعائیں کرتے رہو۔ پہلے یہ حدیث بھی گزر چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ میں اور اس سورت میں سجدہ کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سورۂ اِقْرَاْ کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔ خدا کا شکر و احسان ہے۔

تفسیر سورۂ لیلۃ القدر مکیہ

هِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ وَّ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ① وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ②

بیشک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے　اور (شوق بڑھانے کے لئے فرماتے ہیں کہ) آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے

لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۥ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ③ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ

(آگے جواب ہے کہ) شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے (اور وہ شب قدر ایسی ہے کہ) اس رات میں فرشتے اور روح القدس (یعنی

فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ④ سَلٰمٌ ۛ قف هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ⑤

جبرئیل علیہ السلام) اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لیکر زمین کی طرف اترتے ہیں (اور وہ شب) سراپا سلام ہے وہ شب (اسی صفت و برکت کے ساتھ) طلوع فجر تک رہتی ہے

شب قدر مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا ہے اسی کا نام لیلۃ المبارکہ بھی ہے جیسے اور جگہ ارشاد ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ۔ اور یہ بھی قرآن سے ثابت ہے کہ یہ رات رمضان المبارک کے مہینے میں ہے، جیسے فرمایا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔ ابن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے کہ پورا قرآن پاک لوح محفوظ سے آسمان اول پر بیت العزت میں اس رات اترا۔ پھر واقعات کے مطابق بتدریج تئیس سال میں رسول اللہ صلی اللہ

ف: فقہا اسی آیت کے پیش نظر کہتے ہیں کہ سجدہ میں تقرب و ثواب کی نیت ضرور ہونی چاہیے۔

علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر کی برکات کا اظہار فرماتا ہے کہ اس رات کی ایک زبردست برکت تو یہ ہے کہ قرآن کریم جیسی اعلیٰ نعمت اسی رات اُتری۔ فرماتا ہے کہ تمہیں کیا خبر کہ لیلۃ القدر کیا ہے، پھر خود بتاتا ہے کہ یہ ایسی ایک رات ہے جو ایک ہزار مہینے سے افضل ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ترمذی شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت لائے ہیں کہ یوسف بن سعد نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب کہ آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صلح کر لی کہا کہ تم نے ایمان والوں کے مُنہ کالے کر دیئے، یا یوں کہا کہ اے مؤمنوں کے مُنہ سیاہ کرنے والے تو آپ نے فرمایا اللہ تجھ پر رحم کرے مجھ پر خفا نہ ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلایا گیا کہ گویا آپؐ کے منبر پر بنو اُمیہ ہیں، آپ کو یہ بُرا معلوم ہوا۔ تو اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ نازل ہوئی، یعنی جنت کی نہر کوثر آپؐ کو عطا کئے جانے کی خوشخبری ملی اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ اُتری پس ہزار مہینے وہ مراد ہیں جن میں آپؐ کے بعد بنو اُمیہ کی مملکت رہیگی۔ قاسمؒ کہتے ہیں ہم نے حساب لگایا تو وہ پورے ایک ہزار مہینے ہوئے نہ ایک دن زیادہ نہ ایک دن کم، امام ترمذیؒ اس روایت کو غریب بتلاتے ہیں اور اس کی سند میں یوسف بن سعد ہیں جو مجہول ہیں اور صرف اسی ایک سند سے یہ مروی ہے مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت ہے امام ترمذیؒ کا یہ فرمانا کہ یوسف مجہول ہیں یہ نظر ہے ان کے بہت سے شاگرد ہیں، یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں کہ یہ مشہور ہیں اور ثقہ ہیں اور اس کی سند میں کچھ اضطراب بھی ہے، واللہ اعلم۔ بہر صورت یہ یہ روایت بہت ہی منکر ہے ہمارے شیخ حافظ حجت ابو الحجاج المزی بھی اس روایت کو منکر بتلاتے ہیں، قاسم بن فضل حدانی کا یہ قول کہ بنو اُمیہ کی سلطنت کی ٹھیک مدت ایک ہزار مہینے تھی یہ بھی صحیح نہیں، اسلئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مستقل سلطنت ۴۰ھ ہجری میں قائم ہوئی تھی۔ جب کہ حضرت امام حسنؓ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور خلافت آپ کو سونپ دی اور سب لوگ بھی حضرت معاویہؓ کی بیعت پر جمع ہو گئے اور اس سال کا نام ہی عام الجماعۃ مشہور ہوا۔ پھر شام وغیرہ میں برابر بنو اُمیہ کی سلطنت قائم رہی۔ ہاں تقریباً نو سال تک حرمین شریفین اور اہواز اور بعض شہروں پر حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی سلطنت قائم ہو گئی تھی لیکن تاہم اس مدت میں بھی کلیۃً ان کے ہاتھ سے حکومت نہیں گئی، البتہ بعض شہروں پر سے حکومت ختم ہو گئی تھی اور پھر ۱۳۲ھ میں بنو العباس نے ان سے خلافت اپنے قبضہ میں کر لی۔ اس طرح ان کی سلطنت کی مدت بانوے برس برس ہوئی اور یہ ایک ہزار ماہ سے بہت زیادہ ہے ایک ہزار مہینے کے تراسی سال چار ماہ ہوتے ہیں۔ قاسم بن فضل کا حساب اس طرح تو تقریباً ٹھیک ہو جاتا ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ کی مدت خلافت اس گنتی میں سے نکال دی جائے واللہ اعلم۔ اس روایت کے ضعیف ہونے کی ایک یہ وجہ بھی ہے کہ بنو اُمیہ کی سلطنت کے زمانہ کی تو بُرائی اور مذمت بیان کرنی مقصود ہے اور لیلۃ القدر کی اس زمانہ پر فضیلت کا ثابت ہونا کچھ ان کے زمانہ کی مذمت کی دلیل نہیں۔ لیلۃ القدر تو ہر طرح عظمت والی ہے اور یہ پوری سورت اس مبارک رات کی مدح وستائش بیان کر رہی ہے پس بنو امیہ کے زمانہ کے دنوں کی مذمت سے لیلۃ القدر کی کونسی فضیلت ثابت ہو جائے گی یہ تو بالکل وہی مثل ہو جائے گی کہ کوئی شخص تلوار کی تعریف کرتے ہوئے کہے کہ لکڑی سے بہت تیز ہے، کسی بہترین فضیلت والے شخص کو کسی کم درجے کے ذلیل شخص پر فضیلت دینا تو اس شریف بزرگ کی توہین کرنا ہے، اور وجہ سنیئے اس روایت کی بناء پر یہ ایک ہزار مہینے وہ ہوئے جن میں بنو اُمیہ کی سلطنت رہے گی اور یہ سورت اُتری ہے مکہ شریف میں تو اس میں اُن مہینوں کا حوالہ کیسے دیا جا سکتا ہے جو بنو اُمیہؓ کے زمانہ کے ہیں اس پر نہ تو کوئی لفظ دلالت کرتا ہے اور نہ معنی کے طور پر یہ سمجھا جا سکتا ہے منبر تو مدینہ میں قائم ہوتا ہے اور ہجرت کی ایک مدت بعد منبر بنایا جاتا ہے اور رکھا جاتا ہے پس ان تمام وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ضعیف اور منکر ہے واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو ایک ہزار ماہ تک خدا کی راہ میں یعنی جہاد میں ہتھیار بند رہا۔ مسلمانوں کو یہ سنکر تعجب ہوا تو اللہ عز وجل نے یہ سورت نازل فرمائی کہ ایک لیلۃ القدر کی عبادت اس شخص کی ایک ہزار مہینے کی عبادت سے افضل ہے

ابن جریر میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو رات کو قیام کرتا تھا صبح تک اور دن میں دشمنانِ دین سے جہاد کرتا تھا شام تک ایک ہزار مہینے تک یہی کرتا رہا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی کہ اس اُمت کے کسی شخص کا صرف لیلۃ القدر کا قیام اس عابد کی ایک ہزار مہینے کی اس عبادت سے افضل ہے ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے چار عابدوں کا ذکر فرمایا جنہوں نے اسّی سال تک خداوند تعالیٰ کی عبادت کی تھی، ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی خدا کی نافرمانی نہیں کی تھی۔ حضرت ایوب، حضرت ذکریا، حضرت خرقیل بن عجوز، حضرت یوشع بن نون علیہم السّلام، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تعجب ہوا، آپؐ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے، اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کی اُمت نے اس جماعت کی اس عبادت پر تعجب کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی افضل چیز آپؐ پر نازل فرمائی اور فرمایا کہ یہ افضل ہے اُس سے جس پر آپؐ اور آپؐ کی اُمت نے تعجب کیا تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ بیحد خوش ہوئے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اس رات کا نیک عمل اس کا روزہ اس کی نماز ایک ہزار مہینوں کے روزے اور نماز سے افضل ہے جن میں لیلۃ القدر نہ ہو، اور مفسرین کا بھی یہ قول ہے۔

امام ابن جریرؒ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے کہ وہ ایک ہزار مہینے جن میں لیلۃ القدر نہ ہو، یہی ٹھیک ہے اس کے سوا اور کوئی قول ٹھیک نہیں۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک رات کی جہاد کی تیاری اس کے سوا کی ایک ہزار راتوں سے افضل ہے (مسند احمد) اسی طرح اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اچھی نیت اور اچھی حالت سے جمعہ کی نماز کے لئے جائے اُس کے لئے ایک سال کے اعمال کا ثواب لکھا جاتا ہے سال بھر کے روزوں کا اور سال بھر کی نمازوں کا، اسی طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ پس مطلب یہ ہے کہ مراد ایک ہزار مہینے سے وہ مہینے ہیں جن میں لیلۃ القدر نہ آئے جیسے ایک ہزار راتوں سے مراد وہ راتیں ہیں جن میں کوئی رات اس عبادت کی نہ ہو اور جیسے جمعہ کی طرف جانے والے کو ایک سال کی نیکیاں یعنی وہ سال جس میں جمعہ نہ ہو۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رمضان المبارک آگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! تم پر رمضان کا مہینہ آگیا یہ بابرکت مہینہ آنگا۔ اس کے روزے خدا نے تم پر فرض کئے ہیں، اس میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں۔ شیطان قید کر لئے جاتے ہیں، اس میں ایک رات ہے جو ایک ہزار مہینے سے افضل ہے اُس کی بھلائی سے محروم رہنے والا حقیقی بدقسمت ہے نسائی شریف میں بھی یہ روایت ہے چونکہ اس رات کی عبادت ایک ہزار مہینے کی عبادت سے افضل ہے اس لئے صحیحین کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لیلۃ القدر کا قیام ایمانداری اور نیک نیتی سے کرے اُس کے تمام اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں پھر فرماتا ہے کہ اس رات کی برکت کی زیادتی کی وجہ سے بکثرت فرشتے اس میں نازل ہوتے ہیں، فرشتے تو ہر برکت اور رحمت کے ساتھ نازل ہوتے رہتے ہیں جیسے تلاوتِ قرآن کے وقت اُترتے ہیں، اور ذکر کی مجلسوں کو گھیر لیتے ہیں اور علم دین کے سیکھنے والوں کے لئے راضی خوشی اپنے پر بچھا دیا کرتے ہیں اور ان کی عزت و تکریم کرتے ہیں روح سے مراد یہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں یہ خاص کا عطف ہے عام پر۔ بعض کہتے ہیں کہ روح نام کے ایک خاص قسم کے فرشتے ہیں، جیسے کہ سورۂ عَمَّ يَتَسَآءَلُونَ کی تفسیر میں تفصیل سے گزر چکا۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا وہ سراسر سلامتی والی رات ہے جس میں شیطان نہ تو بُرائی کرسکتا ہے نہ ایذا پہنچا سکتا ہے حضرت قتادہؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس میں تمام کاموں کا فیصلہ کیا جاتا ہے، عمر اور رزق مقدر کیا جاتا ہے، جیسے اور جگہ ہے فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ۔ یعنی اسی رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ اس رات میں فرشتے مسجد والوں پر صبح تک سلام بھیجتے رہتے ہیں امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب فضائل اوقات میں حضرت علیؓ کا ایک غریب اثر فرشتوں کے نازل ہونے میں اور نمازیوں پر ان کے گزرنے میں اور انہیں برکت حاصل ہونے میں ذکر کیا ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک عجیب و غریب بہت طویل اثر ذکر کیا ہے جس میں فرشتوں کا سدرۃ المنتہیٰ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام

کے ساتھ زمین پر آنا اور مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کے لئے دعائیں کرنا مذکور ہے ابوداؤد طیالسیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر ستائیسویں ہے یا انتیسویں۔ اس رات میں فرشتے زمین پر سنگریزوں کی گنتی سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ عبدالرحمان بن ابو یعلیٰ رح فرماتے ہیں اس رات میں ہر امر سے سلامتی ہے یعنی کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوتی۔ حضرت قتادہؒ اور حضرت ابن زیدؒ کا قول ہے کہ یہ رات سراسر سلامتی والی ہے۔ کوئی برائی صبح ہونے تک نہیں ہوتی۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر دس باقی کی راتوں میں ہے جو ان کا قیام طلب ثواب کی نیت سے کرے اللہ تعالیٰ اس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے یہ رات اکائی کی ہے یعنی اکیسویں یا تیئسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا آخری رات، آپؐ فرماتے ہیں کہ یہ رات بالکل صاف اور ایسی روشن ہوتی ہے کہ گویا چاند چڑھا ہوا ہے اس میں سکون اور دلجمی ہوتی ہے نہ سردی زیادہ ہوتی ہے نہ گرمی، صبح تک ستارے نہیں جھڑتے، ایک نشانی اس کی یہ بھی ہے کہ اس کی صبح کو سورج تیز شعاعوں سے نہیں نکلتا بلکہ وہ چودھویں رات کی طرح صاف نکلتا ہے، اس دن کے ساتھ شیطان بھی نہیں نکلتا۔ یہ اسناد تو صحیح ہے لیکن متن میں غرابت ہے اور بعض الفاظ میں نکارت بھی ہے ابوداؤد طیالسیؒ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر صاف پرسکون سردی گرمی کی خالی رات ہے، اس کی صبح کو سورج مدھم روشنی والا سرخ رنگ نکلتا ہے حضرت ابو عاصم نبیل اپنی اسناد سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا مجھکو لیلۃ القدر دکھلائی گئی لیکن پھر بھلا دی گئی، یہ آخری دس راتوں میں ہے، یہ صاف شفاف سکون ووقار والی رات ہے نہ زیادہ سردی ہوتی ہے نہ زیادہ گرمی، اس قدر روشن رات ہوتی ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے گویا چاند چڑھا ہوا ہے، سورج کے ساتھ شیطان نہیں نکلتا یہاں تک کہ دھوپ چڑھ جائے **فصل** اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ لیلۃ القدر اگلی امتوں میں بھی تھی یا صرف اسی امت کو خصوصیت کے ساتھ عطا کی گئی ہے۔ پس ایک حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نظریں ڈالیں اور یہ معلوم کیا کہ اگلے لوگوں کی عمریں بہت زیادہ ہوتی تھیں تو آپؐ کو خیال گزرا کہ میری امت کی عمریں ان کے مقابلہ میں کم ہیں تو نیکیاں بھی کم رہیں گی۔ اور پھر درجات اور ثواب میں بھی کمی رہے گی تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یہ رات عنایت فرمائی، اور اس کا ثواب ایک ہزار مہینے کی عبادت سے زیادہ دینے کا وعدہ فرمایا اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف اسی امت کو یہ رات دی گئی ہے، بلکہ صاحب عدہ نے جو شافعیہ میں سے ایک امام ہیں جمہور علماء کا یہی قول نقل کیا ہے واللہ اعلم۔ اور خطابی نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے لیکن ایک حدیث اور ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رات جس طرح اس امت میں ہے اگلی امتوں میں بھی تھی، چنانچہ حضرت مرثدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے لیلۃ القدر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سوال کیا تھا؟ آپؓ نے فرمایا سنو میں حضورؐ سے اکثر باتیں دریافت کرتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے کہا یا رسول اللہؐ یہ تو فرمائیے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہی ہے یا اور مہینوں میں؟ آپؐ نے فرمایا رمضان میں۔ میں نے کہا اچھا یا رسول اللہؐ یہ انبیاء کے ساتھ ہی ہے کہ جب تک وہ ہیں یہ بھی ہے جب انبیاء قبض کئے جاتے ہیں تو یہ بھی اٹھ جاتی ہے یا یہ قیامت تک باقی رہے گی؟ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں وہ قیامت تک رہے گی، میں نے کہا اچھا رمضان کے کس حصہ میں ہے؟ آپؐ نے فرمایا اسے رمضان کے اول دس دن میں، اور آخری دس دن میں ڈھونڈو پھر میں خاموش ہو گیا آپؐ بھی اور باتوں میں مشغول ہو گئے میں نے پھر موقع پا کر سوال کیا کہ حضورؐ! ان دونوں عشروں میں سے کس عشرے میں رات کو تلاش کروں؟ آپؐ نے فرمایا آخری عشرہ میں، بس اب کچھ نہ پوچھنا۔ میں پھر چپکا ہو گیا لیکن پھر موقع پا کر میں نے سوال کیا کہ حضورؐ آپؐ کو قسم ہے میرا بھی کچھ حق آپؐ پر ہے فرما دیجئے کہ وہ کونسی رات ہے؟ آپ سخت غصہ ہوئے۔ میں نے تو کبھی آپؐ کو اپنے اوپر اتنا غصہ ہوتے ہوئے دیکھا ہی نہیں اور فرمایا آخری ہفتہ میں تلاش کرو۔ اب کچھ نہ پوچھنا، یہ روایت نسائی میں بھی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رات اگلی امتوں میں بھی تھی، اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی قیامت تک ہر سال آتی رہے گی، بعض شیعہ کا قول ہے

کہ یہ رات بالکل اٹھ گئی، یہ قول غلط ہے ان کو غلط فہمی اُس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ وہ اٹھالی گئی اور ممکن ہے کہ تمہارے لئے اسی میں بہتری ہو، یہ حدیث پوری ابھی آئیگی۔ حالانکہ مطلب حضورؐ کے اس ارشاد کا یہ ہے کہ اُس رات کی تعیین اور اُس کا تقرر اٹھ گیا نہ یہ کہ سرے سے لیلۃ القدر ہی اُٹھ گئی۔ مندرجہ بالا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ رات رمضان شریف میں آتی ہے کسی اور مہینہ میں نہیں حضرت ابن مسعودؓ اور علماء کوفہ کا قول ہے کہ سارے سال میں ایک رات ہے اور ہر مہینہ میں اُس کا ہو جانا ممکن ہے یہ حدیث اس کے خلاف ہے سنن ابوداؤد میں باب ہے کہ اُس شخص کی دلیل جو کہتا ہے کہ لیلۃ القدر سارے رمضان میں ہے پھر حدیث لائے ہیں کہ حضورؐ سے لیلۃ القدر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ سارے رمضان میں ہے اس سند کے کل راوی ثقہ ہیں یہ موقوف بھی مروی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں ہے کہ رمضان المبارک کے سارے مہینے میں اس رات کا ہونا ممکن ہے غزالی نے اسی کو نقل کیا ہے لیکن رافعی اسے بالکل غریب بتلاتے ہیں:۔

فصل ابو رزین تو فرماتے ہیں کہ رمضان کی پہلی رات ہی لیلۃ القدر ہے امام شافعی بن محمد ادریسؒ کا فرمان ہے کہ یہ سترھویں شب ہے، ابوداؤد میں اس مضمون کی ایک حدیث مرفوع موجود ہے اور حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت زید بن ارقمؓ اور حضرت عثمان بن ابو العاصؓ سے موقوف بھی روایت ہے، حضرت حسن بصریؒ کا مذہب بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ رمضان المبارک کی یہی سترھویں رات شب جمعہ تھی اور یہی رات بدر کی رات تھی اور سترھویں تاریخ کو جنگ بدر واقع ہوئی تھی جسکو قرآن نے یوم الفرقان کہا ہے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ انیسویں رات لیلۃ القدر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اکیسویں رات ہے حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف کے پہلے دس دن کا اعتکاف کیا ہم بھی آپؐ کے ساتھ ہی اعتکاف میں بیٹھے، پھر آپؐ کے پاس حضرت جبرئیلؑ آئے اور فرمایا کہ جسے آپؐ ڈھونڈتے ہیں وہ تو آپؐ کے آگے ہے۔ پھر آپؐ نے دس سے بیس تک کا اعتکاف کیا اور ہم نے بھی، پھر حضرت جبرئیلؑ آئے اور یہی فرمایا کہ جسے آپؐ ڈھونڈتے ہیں وہ تو ابھی آگے ہے یعنے لیلۃ القدر، پس رمضان کی بیسویں تاریخ کی صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا اور فرمایا کہ میرے ساتھ اعتکاف کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ پھر اعتکاف میں بیٹھ جائیں۔ میں نے لیلۃ القدر دیکھی۔ لیکن میں بھول گیا، لیلۃ القدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہے میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کی چھت صرف کھجور کے پتوں کی تھی آسمان پر اُس وقت ابر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی نہ تھا پھر ابر اُٹھا اور بارش ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سچا ہوا اور میں نے خود دیکھا کہ نماز کے بعد آپؐ کی پیشانی پر تر مٹی لگی ہوئی تھی، اسی روایت کے ایک طریق میں ہے کہ یہ اکیسویں رات کا واقعہ ہے، یہ حدیث صحیح بخاری صحیح مسلم دونوں میں ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں تمام روایتوں میں سب سے زیادہ صحیح یہی حدیث ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان شریف کی تئیسویں رات ہے اُس کی دلیل حضرت عبد اللہ بن انیسؓ کی صحیح مسلم والی ایسی ہی ایک روایت ہے واللہ اعلم ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ چوبیسویں رات ہے ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر چوبیسویں شب ہے اس کی سند بھی صحیح ہے، مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے لیکن اُس کی سند میں ابن لہیعہ ہیں جو ضعیف ہیں بخاری میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن ہیں منقول ہے کہ یہ پہلی ساتویں ہے آخری دس میں سے، یہ موقوف روایت ہی صحیح ہے واللہ اعلم۔ حضرت ابن مسعودؓ ابن عباسؓ جابرؓ حسنؒ قتادہؒ عبد اللہ بن وہبؒ بھی فرماتے ہیں کہ چوبیسویں رات لیلۃ القدر ہے۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں حضرت واثلہ بن اسقعؓ کی روایت کی ہوئی مرفوع حدیث بیان ہو چکی ہے کہ قرآن کریم رمضان شریف کی چوبیسویں رات کو اُترا بعض کہتے ہیں کہ پچیسویں رات لیلۃ القدر ہے۔ ان کی دلیل بخاری شریف کی یہ حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اسے رمضان کے آخری عشرے میں ڈھونڈو نو باقی رہیں تب سات باقی رہیں تب پانچ باقی رہیں تب، اکثر محدثین نے اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ اس سے مراد طاق راتیں ہیں، یہی زیادہ ظاہر ہے اور زیادہ مشہور ہے۔ گو بعض اوروں نے اُسے

جنت راتوں پر بھی محمول کیا ہے جیسے کہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت ابو سعیدؓ نے اسے حیقت پر محمول کیا ہے واللہ اعلم یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ستائیسویں رات ہے اس کی دلیل صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ ستائیسویں رات ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت زرؒ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص سال بھر راتوں کو قیام کرے گا وہ لیلۃ القدر کو پائیگا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اُن پر رحم کرے وہ جانتے ہیں کہ یہ رات رمضان میں ہی ہے یہ ستائیسویں رات رمضان کی ہے، پھر اس بات پر حضرت اُبی رضؓ نے قسم کھائی میں نے پوچھا آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ جواب دیا کہ اُن نشانیوں کو دیکھنے سے جو ہم کو بتائی گئی ہیں کہ اس دن سورج شعاعوں بغیر نکلتا ہے اور روایت میں ہے کہ حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ یہ رات رمضان میں ہی ہے آپ نے اس پر انشاء اللہ بھی نہیں فرمایا اور پختہ قسم کھائی پھر فرمایا مجھے خوب معلوم ہے کہ وہ کونسی رات ہے جس میں قیام کرنے کا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے یہ ستائیسویں رات ہے اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کی صبح کو سورج سفید رنگ نکلتا ہے اور تیزی زیادہ نہیں ہوتی۔ حضرت معاویہؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی منقول ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ رات ستائیسویں رات ہے سلف کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مسلک بھی یہی ہے اور امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت اسی قول کی ہے بعض سلف نے قرآن کریم کے الفاظ سے بھی اس کے ثبوت کا حوالہ دیا ہے اس طرح کہ ھِیَ اس سورت میں ستائیسواں کلمہ ہے اور اس کے معنی ہیں "یہ" واللہ اعلم۔ طبرانی میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کیا اور ان سے لیلۃ القدر کی بابت سوال کیا۔ تو سب کا اجماع اس امر پر ہوا کہ یہ رمضان کے آخری عشرہ میں ہے۔ ابن عباسؓ نے اُس وقت فرمایا کہ میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کونسی رات ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر کہو کہ وہ کونسی رات ہے؟ فرمایا اس آخری عشرے میں سات گزرنے پر یا سات باقی رہنے پر، حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ کیسے معلوم ہوا؟ تو جواب دیا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے آسمان بھی سات پیدا کئے اور زمینیں بھی سات بنائیں مہینہ بھی ہفتوں پر ہے انسان کی پیدائش بھی سات پر ہے کھانا بھی سات ہے، سجدہ بھی سات ہے۔ طواف بیت اللہ کی تعداد بھی سات کی ہے، رمی جمار کی کنکریاں بھی سات ہیں اور اسی طرح کی سات کی گنتی کی بہت سی چیزیں اور بھی گنوا دیں، حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا تمہاری یاد وہاں پہنچی جہاں تک ہماری خیالات کو رسائی نہ ہو سکی، یہ جو فرمایا سات ہی کھانا ہے اس سے قرآن کریم کی آیت فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّا ۙ وَّ عِنَبًا الخ مراد ہیں، جن میں سات چیزوں کا ذکر ہے جو کھائی جاتی ہیں، اس کی اسناد بھی جید اور قوی ہے لیکن متن میں بہت غرابت ہے واللہ اعلم، یہ بھی ہے کہ اُنتیسویں رات ہے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال کے جواب میں حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اسے آخری عشرے میں ڈھونڈو طاق راتوں میں، اکیس، تیئس، پچیس ستائیس اور اُنتیس یا آخری رات، مسند میں ہے کہ لیلۃ القدر ستائیسویں رات ہے یا اُنتیسویں۔ اس رات فرشتے زمین پر سنگریزوں کی گنتی سے بھی زیادہ ہوتے ہیں، اس کی اسناد بھی اچھی ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ آخری رات لیلۃ القدر ہے کیونکہ ابھی جو حدیث گزری اس میں ہے اور ترمذی اور نسائی میں بھی ہے کہ جب نو باقی رہ جائیں یا سات، یا پانچ یا تین یا آخری رات یعنی ان راتوں میں لیلۃ القدر تلاش کرو، امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں مسند میں ہے کہ وہ آخری رات ہے فصل حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان مختلف حدیثوں میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ یہ سوالوں کا جواب ہے کسی نے کہا حضرتؐ ہم اسے فلاں رات میں تلاش کریں تو آپ نے فرما دیا ہاں۔ حقیقت یہ ہے کہ لیلۃ القدر مقرر ہے اور اس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ کا اسی معنی کا قول نقل کیا ہے۔ ابو قلابہؒ فرماتے ہیں کہ آخری عشرے کی راتوں میں یہ پھیر بدل ہوا کرتی ہے امام مالکؒ، امام ثوریؒ، امام احمد بن حنبلؒ امام اسحاق بن راہویہؒ ابو ثورؒ مزنی۔ ابو بکر بن خزیمہؒ وغیرہ نے بھی یہی فرمایا ہے امام شافعیؒ سے بھی قاضی نے

یہی نقل کیا ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے واللہ اعلم۔ اس قول کی تھوڑی بہت تائید صحیحین کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ چند اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں لیلۃ القدر رمضان کی سات پچھلی راتوں میں دکھائی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب اس بارے میں موافق ہیں، ہر طلب کرنے والے کو چاہیے کہ لیلۃ القدر کو ان سات آخری راتوں میں تلاش کرے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی بخاری مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں شب قدر کی جستجو کرو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان پر کہ لیلۃ القدر ہر رمضان میں ایک معین رات ہے اور اس میں تغیر نہیں ہوتا۔ یہ حدیث دلیل بن سکتی ہے جو صحیح بخاری شریف میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لئے کہ فلاں رات لیلۃ القدر ہے نکلے یہاں دو مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لئے میں آیا تھا لیکن فلاں فلاں کی لڑائی کی وجہ سے وہ اٹھالی گئی اور ممکن ہے کہ اسی میں تمہاری بہتری ہو اب اسے نویں، ساتویں اور پانچویں میں ڈھونڈو، وجہ دلالت یہ ہے کہ اگر اس کا تعین ہمیشہ کے لئے نہ ہوتا تو ہر سال کی لیلۃ القدر کا علم حاصل نہ ہوتا۔ اگر لیلۃ القدر میں تغیر ہوتا رہتا تو صرف اس سال کے لئے تو معلوم ہو جاتا کہ فلاں رات ہے لیکن اور برسوں کے لئے تعیین نہ ہوتی۔ ہاں یہ ایک جواب اس کا ہو سکتا ہے کہ آپ صرف اسی سال کی اس مبارک رات کی خبر دینے کے لئے تشریف لائے تھے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑائی جھگڑا خیر و برکت کو اور نفع دینے والے علم کو غارت کر دیتا ہے، ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ بندہ اپنے گناہ کے باعث خدا کی روزی سے محروم رکھ دیا جاتا ہے، یاد رہے کہ اس حدیث میں جو آپ نے فرمایا کہ وہ اٹھالی گئی۔ اس سے مراد اس کی تعیین کے علم کا اٹھا لیا جانا ہے۔ نہ یہ کہ بالکل لیلۃ القدر ہی دنیا سے اٹھالی گئی جیسے کہ جاہل شیعہ کا قول ہے اس پر بڑی دلیل یہ ہے کہ اس لفظ کے بعد ہی یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اسے نویں، ساتویں اور پانچویں میں ڈھونڈو، آپ کا یہ فرمان کہ ممکن ہے اسی میں تمہاری بہتری ہو یعنی اس کی مقرر تعیین کا علم نہ ہونے میں، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ مبہم ہے تو اس کا ڈھونڈنے والا جن جن راتوں میں اس کا ہونا ممکن دیکھے گا ان تمام راتوں میں کوشش و خلوص کے ساتھ عبادت میں لگا رہے گا بخلاف اس کے کہ معلوم ہو جائے کہ فلاں رات ہی ہے تو وہ صرف اسی ایک رات کی عبادت کرے گا کیونکہ ہمتیں پست ہیں، اسلئے حکمت حکیم کا تقاضا یہی ہوا کہ اس رات کی تعیین کی خبر نہ دی جائے تاکہ اس رات کے پالینے کے شوق میں اس مبارک مہینے میں جی لگا کر اور دل کھول کر بندے اپنے معبود برحق کی بندگی کریں اور آخری عشرے میں تو پوری کوشش اور خلوص کے ساتھ عبادتوں میں مشغول رہیں، اسی لئے خود پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے انتقال تک رمضان شریف کے آخری عشرے کا اعتکاف کرتے رہے اور آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہراتؓ نے اعتکاف کیا، یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ رمضان شریف کے آخری عشرے کا اعتکاف کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آخری دس راتیں رمضان شریف کی رہ جاتیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات جاگتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے اور کمر کس لیتے، (صحیحین) مسلم شریف میں ہے کہ حضورؐ ان دنوں میں جس محنت کے ساتھ عبادت کرتے اتنی محنت سے عبادت آپ کی اور وقت نہیں ہوتی تھی یہی معنے ہیں اوپر والی حدیث کے اس جملے کے کہ آپ تہبند مضبوط باندھ لیا کرتے یعنی کمر کس لیا کرتے یعنی عبادت میں پوری کوشش کرتے، گو اس کے یہ معنے بھی کئے گئے ہیں کہ آپ بیویوں سے نہ ملتے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی باتیں مراد ہوں، یعنی بیویوں سے ملنا بھی ترک کر دیتے تھے اور عبادت کی مشغولی میں بھی کمر باندھ لیا کرتے۔ چنانچہ مسند احمد کی حدیث کے یہ لفظ ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ باقی رہ جاتا

۱؎ اور یہی دلیل سیدنا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی ہے کہ شب قدر پورے سال میں منتقل ہوتی رہتی ہے امام اپنی کمال ذہانت سے یہ سمجھتے ہیں کہ اصلی مقصود شریعت کا راتوں میں خدا تعالیٰ کی پر خلوص عبادت کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ اس مبارک رات کا متعین علم نہ دیا گیا ہو شریعت کا یہ مقصود اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ تمام راتیں اسی ذکر و فکر میں گزار دی جائیں۔ خوب کہا ہے کسی نے کہ ہر شب شب قدر است گر قدر بدانی۔

تو آپؐ تہمد مضبوط باندھ لیتے اور عورتوں سے الگ رہتے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ رمضان کی آخری دسوں راتوں میں لیلۃ القدر کی یکساں جستجو کرے۔ کسی ایک رات کو دوسری رات پر ترجیح نہ دے (شرح رافعی) یہ بھی یاد رہے کہ یوں تو ہر وقت دعا کی کثرت مستحب ہے لیکن رمضان میں اور زیادتی کرے اور خصوصاً آخری عشرے میں اور بالخصوص طاق راتوں میں۔ اور اس دعا کو بکثرت پڑھے اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ خدا تو درگزر کرنے والا اور درگزر کو پسند فرمانے والا ہے مجھ سے بھی درگزر فرما۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضورؐ سے پوچھا کہ اگر مجھے لیلۃ القدر مل جائے تو میں کیا دعا پڑھوں، آپؐ نے یہی بتلائی، یہ حدیث ترمذی نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں، مستدرک حاکم میں بھی یہ ہے اور امام حاکم اسے شرط صحیحین پر صحیح بتلاتے ہیں۔ "ایک عجیب و غریب اثر جس کا تعلق لیلۃ القدر سے ہے، امام ابو محمد بن ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس سورت کی تفسیر میں اس...... حضرت کعبؓ سے یہ روایت کی ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ جو ساتویں آسمان کی حد پر جنت سے متصل ہے جو دنیا اور آخرت کے فاصلہ پر ہے اس کی بلندی جنت میں ہے اس کی شاخیں اور ڈالیاں کرسی تلے ہیں اس میں اس قدر فرشتے ہیں جن کی گنتی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اس کی ہر ہر شاخ پر بیشمار فرشتے ہیں، ایک بال برابر بھی جگہ ایسی نہیں جو فرشتوں سے خالی ہو اس درخت کے درمیان حضرت جبرئیل علیہ السلام کا مقام ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرئیلؑ کو آواز دی جاتی ہے کہ اے جبرئیلؑ لیلۃ القدر میں اس درخت کے تمام فرشتوں کو لیکر زمین پر جاؤ، یہ کُل کے کُل فرشتے رافت و رحمت والے ہیں جن کے دلوں میں ہر ہر مومن کے لئے رحم کے جذبات موجزن ہیں، سورج غروب ہوتے ہی یہ کُل کے کل فرشتے حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ لیلۃ القدر میں اُتر لیتے ہیں تمام روئے زمین پر پھیل جاتے ہیں، ہر ہر جگہ سجدے میں قیام میں مشغول ہو جاتے ہیں، اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں، ہاں گرجا گھر، مندر ہیں آتشکدے ہیں بُت خانے ہیں غرض خدا کے سوا اوروں کی جہاں پرستش ہوتی ہے وہاں تو یہ فرشتے نہیں جاتے، اور اُن جگہوں میں بھی جن میں تم گندی چیزیں ڈالتے ہو اور اُس گھر میں بھی جہاں نشے والا شخص ہو یا نشہ والی چیز ہو یا جس گھر میں کوئی بت گڑا ہوا ہو یا جس گھر میں باجے گاجے گھنٹیاں ہوں یا میوتے ہو یا کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ ہو وہاں تو یہ رحمت کے فرشتے جاتے نہیں، باقی چپے چپے پر گھوم جاتے ہیں اور ساری رات مومن مردوں عورتوں کے لئے دعائیں مانگنے میں گزار لیتے ہیں۔ حضرت جبرئیلؑ علیہ السلام تمام مومنوں سے مصافحہ کرتے ہیں، اس کی نشانی یہ ہے کہ رونگٹے جسم پر کھڑے ہو جائیں، دل نرم پڑ جائے آنکھیں بہہ نکلیں اُس وقت آدمی کو سمجھ لینا چاہیے کہ اُس وقت میرا ہاتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ میں ہے۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس رات میں تین مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھے اُس کی پہلی مرتبہ کے پڑھنے پر گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہے، دوسری مرتبہ کے کہنے پر آگ سے نجات مل جاتی ہے تیسری مرتبہ کے کہنے پر جنت میں داخل ہو جاتا ہے راوی نے پوچھا کہ اے ابو اسحٰق جو اس کلمہ کو سچائی سے کہے اُس کے؟ فرمایا یہ تو نکلے گا ہی اُس کے منہ سے جو سچائی سے اس کا کہنے والا ہو اُس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ لیلۃ القدر کا فرد منافق پر تو اتنی بھاری پڑتی ہے کہ گویا اس کی پیٹھ پہ پہاڑ آ پڑا۔ غرض کہ فجر ہونے تک فرشتے اسی طرح رہتے ہیں، پھر سب سے پہلے حضرت جبرئیلؑ چڑھتے ہیں اور بہت اونچے چڑھ کر اپنے پَروں کو پھیلا دیتے ہیں، بالخصوص اُن دو سبز پَروں کو جنھیں اس رات کے سوا وہ کبھی نہیں پھیلاتے یہی وجہ ہے کہ سورج کی تیزی ماند پڑ جاتی ہے اور شعاعیں جاتی رہتی ہیں۔ پھر ایک ایک فرشتے کو پکارتے ہیں اور سب کے سب اوپر چڑھتے ہیں، پس فرشتوں کا نور اور جبرئیل علیہ السلام کے پَروں کا نور مل کر سورج کو ماند کر دیتا ہے، اس دن سورج متحیر رہ جاتا ہے حضرت جبرئیلؑ اور یہ سارے کے سارے بیشمار فرشتے آسمان و زمین کے درمیان مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے رحمت کی دعائیں مانگنے میں اور ان کے گناہوں کی بخشش طلب کرنے میں گزار دیتے ہیں، نیک نیتی کے ساتھ روزہ رکھنے والوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے بھی جن کا یہ خیال رہا کہ اگلے سال بھی اگر خدا نے زندگی رکھی تو رمضان کے روزے عمدگی کے ساتھ پورے کریں گے یہی دعائیں مانگتے رہتے ہیں

شام کو آسمان دنیا پر چڑھ جاتے ہیں وہاں کے تمام فرشتے حلقے باندھ باندھ کر ان کے پاس جمع ہو جاتے ہیں اور ایک ایک مرد اور ایک ایک عورت کے بارے میں ان سے سوال کرتے ہیں اور یہ جواب دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کو امسال تم نے کس حالت میں پایا تو یہ کہتے ہیں کہ گزشتہ سال تو ہم نے اُسے عبادتوں میں پایا تھا لیکن اس سال تو وہ بدعتوں میں مبتلا تھا اور فلاں شخص گزشتہ سال بدعتوں میں مبتلا تھا لیکن اس سال ہم نے اُسے سنت کے مطابق عبادتوں میں پایا پس یہ فرشتے اُس پہلے شخص کے لئے بخشش کی دعائیں مانگنی موقوف کر دیتے ہیں اور اس دوسرے شخص کے لئے دعائیں مانگنی شروع کر دیتے ہیں اور یہ فرشتے انھیں سُناتے ہیں کہ ہم نے فلاں فلاں کو ذکر اللہ میں پایا اور فلاں کو رکوع میں اور فلاں کو سجدے میں اور فلاں کو کتاب اللہ کی تلاوت میں، غرض کہ ایک رات دن یہاں گزار کر دوسرے آسمان پر جاتے ہیں یہاں بھی یہی ہوتا ہے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ میں اپنی اپنی جگہ پہنچ جاتے ہیں اُس وقت سدرۃ المنتہیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ مجھ میں بسنے والو میرا بھی تم پر حق ہے میں بھی ان سے محبت رکھتا ہوں جو خدا سے محبت رکھیں ذرا مجھے بھی تو لوگوں کی حالت کی خبر دو اور ان کے نام بتاؤ، حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اب فرشتے اس کے سامنے گنتی کر کے اور ایک ایک مرد و عورت کا مع ولدیت کے نام بتلاتے ہیں، پھر جنت سدرۃ المنتہیٰ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھتی ہے کہ تجھ میں رہنے والے فرشتوں نے جو خبریں تجھے دی ہیں مجھ سے بھی تو بیان کر، چنانچہ سدرۃ المنتہیٰ اُس سے ذکر کرتا ہے، یہ سُنکر وہ کہتی ہے کہ خدا کی رحمت ہو فلاں مرد پر اور فلاں عورت پر، خدایا انھیں جلدی مجھ سے ملا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام سب سے پہلے اپنی جگہ پہنچ جاتے ہیں انھیں الہام ہوتا ہے اور یہ عرض کرتے ہیں پروردگار میں نے تیرے فلاں فلاں بندوں کو سجدے میں پایا تو انھیں بخش، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے انھیں بخشا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اسے عرش کے اُٹھانے والے فرشتوں کو سُناتے ہیں پھر سب کہتے ہیں کہ فلاں فلاں مرد و عورت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوئی اور مغفرت ہوئی۔ پھر حضرت جبرئیلؑ خبر دیتے ہیں کہ باری تعالیٰ فلاں شخص کو گزشتہ سال تو عامل سُنت اور عابد چھوڑا تھا لیکن امسال تو بدعتوں میں پڑ گیا ہے اور تیرے احکام سے رُوگردانی کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے جبرئیلؑ اگر یہ مرنے سے تین ساعت پہلے بھی توبہ کر لیگا تو میں اسے بخش دونگا اُس وقت حضرت جبرئیلؑ بے ساختہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ خدایا تیرے ہی لئے سب تعریفیں سزاوار ہیں۔ الٰہی تو اپنی مخلوق پر سب سے زیادہ مہربان ہے، بندوں پر تیری مہربانی خود ان کی اپنی مہربانی سے بھی بڑھی ہوئی ہے، اُس وقت عرش اور اس کے آس پاس کی چیزیں اور پردے اور تمام آسمان جنبش میں آ جاتے ہیں اور کہہ اُٹھتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الرَّحِيْمِ۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو شخص رمضان شریف کے روزے پورے کرے اور اُس کی یہ نیت بھی ہو کہ رمضان کے بعد بھی گناہوں سے بچتا رہوں گا وہ بغیر سوال جواب کے اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوگا۔ الحمد للہ سورۂ لیلۃ القدر کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سُورۂ بیّنہ

جب یہ سورت اُتری تو حضرت جبرئیلؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا آپؐ کو حکم ہوا ہے کہ یہ سورت حضرت اُبیؓ کو سُنائیں۔ حضورؐ نے حضرت اُبیؓ سے اس کا ذکر کیا تو حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہؐ! کیا وہاں میرا ذکر کیا گیا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں ہاں۔ تو حضرت اُبیؓ رو پڑے۔ (مسند احمد) مسند ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت اُبیؓ نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہؐ! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا؟ یہ حدیث بخاری مسلم ترمذی اور نسائی میں بھی ہے مسند کی ایک اور روایت

ع۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ ارادہ مومن ہی کا ہوگا پس دخول جنت کی شرط یعنی ایمان یہاں بھی موجود ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کعب احبار کی روایات زیادہ معتبر نہیں ہیں

یہ ہے کہ جس وقت حضرت ابیؓ نے یہ واقعہ بیان کیا اس وقت حضرت عبدالرحمان بن ابزائےؓ نے کہا کہ پھر تو تم اے ابو منذرؓ بہت ہی خوش ہوئے ہوگے، کہا ہاں خوش کیوں نہ ہوتا خدا خود فرماتا ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔ یعنی کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے ساتھ لوگ خوش ہوا کریں، یہ ان کے جمع کئے ہوئے سے بہت ہی بہتر ہے اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے یہ سورت حضرت ابیؓ کے سامنے پڑھی، اس میں یہ روایت بھی تھی لَوْ اَنَّ ابْنَ اٰدَمَ سَاَلَ وَادِيًا مِّنْ مَّالٍ فَاُعْطِيَهٗ لَسَاَلَ ثَانِيًا وَلَوْ سَاَلَ ثَانِيًا فَاُعْطِيَهٗ لَسَاَلَ ثَالِثًا وَلَا يَمْلَاُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ وَاِنَّ ذَاتَ الدِّيْنِ عِنْدَ اللّٰهِ الْحَنِيْفِيَّةُ غَيْرُ الْمُشْرِكَةِ وَلَا الْيَهُوْدِيَّةِ وَلَا النَّصْرَانِيَّةِ وَمَنْ يَّفْعَلْ خَيْرًا فَلَنْ يُّكْفَرَهٗ یعنی اگر انسان مجھ سے ایک جنگل بھر کر سونا مانگے اور میں اسے دیدوں تو پھر دوسرا مانگے گا اور دوسرے کو دیدوں تو یقیناً تیسرے کی طلب کریگا۔ انسان کے پیٹ کو سوا مٹی کے کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اللہ کے نزدیک دیندار وہ ہے جو یک طرفہ ہو کر صرف اس کی عبادت کرے، نہ وہ مشرک ہو نہ یہودی ہو نہ نصرانی ہو۔ جو شخص بھی کوئی نیک کام کرے اللہ کے ہاں اس کی ناقدری نہ کی جائیگی (مسند احمد) ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اور اسے امام ترمذیؒ نے حسن صحیح کہا ہے۔ طبرانی میں ہے کہ جب حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں تو حضرت ابیؓ نے عرض کیا کہ حضرتؐ میں اللہ پر ایمان لایا آپؐ کے ہاتھ پر اسلام لایا، آپؐ ہی سے علم دین حاصل کیا، آپؐ نے پھر بھی فرمایا اس پر حضرت ابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا میرا وہاں ذکر کیا گیا؟ آپؐ نے فرمایا تیرے نام اور نسب کے ساتھ مَلَاِ الْاَعْلٰی میں تیرا ذکر ہوا۔ حضرت ابیؓ نے عرض کیا اچھا پھر پڑھیئے۔ یہ روایت اس طریقہ سے غریب ہے اور ثابت وہ ہے جو پہلے بیان ہوا۔ یہ یاد رہے کہ حضورؐ کا اس سورت کو حضرت ابیؓ کے سامنے پڑھنا یہ ان کی ثابت قدمی اور ان کی قوت ایمان کی وجہ سے تھا مسند احمد، ابوداؤد، نسائی اور مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت سنکر حضرت ابیؓ بگڑ بیٹھے تھے کیونکہ انھوں نے جس طرح اس سورت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا حضرت عبداللہؓ نے اسی طرح نہیں پڑھا تھا تو غصے میں آکر انھیں لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے ان دونوں سے قرآن سنا۔ انھوں نے اپنے طریقہ پر اور ان نے اپنے طور پر پڑھا، آپؐ نے فرمایا دونوں نے درست پڑھا۔ حضرت ابیؓ فرماتے ہیں میں تو اس قدر شک و شبہ میں پڑ گیا کہ جاہلیت کے زمانہ کا شک[1] سامنے آگیا۔ آپؐ نے یہ حالت دیکھ کر میرے سینے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا جس سے میں پسینوں پسینوں ہوگیا اور اس قدر مجھ پر خوف طاری ہوا کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں، پھر آپؐ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ میرے پاس آئے اور فرمایا خدا کا حکم ہے کہ قرآن ایک ہی قرأت پر اپنی امت کو پڑھاؤ۔ میں نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے عفو و درگزر اور بخشش و مغفرت چاہتا ہوں پھر مجھے دو طرح کی قرأتوں کی اجازت ہوئی۔ لیکن میں اس میں متعدد قرأتوں کی اجازت طلب کرتا رہا۔ یہاں تک کہ سات قرأتوں کی اجازت ملی۔ یہ حدیث بہت سی سندوں اور مختلف الفاظ سے تفسیر کے شروع میں پوری طرح بیان ہو چکی ہے اب جبکہ یہ مبارک سورت نازل ہوئی اور اس میں آیت میں رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ بھی نازل ہوئی۔ اس لئے حضورؐ کو حکم ہوا کہ بطور پہنچا دینے کے اور ثابت قدمی عطا فرمانے کے اور آگاہی کرنے کے پڑھ کر حضرت ابیؓ کو سنادیں، کسی کو یہ خیال نہ رہے کہ بطور سیکھنے کے اور یاد رہنے کے آپؐ نے یہ سورت ان کے پاس تلاوت کی تھی۔ واللہ اعلم۔ پس جس طرح آپؐ سے حضرت ابیؓ کے اس دن کے شک و شبہ کے دور کرنے کے لئے جو انہیں مختلف قرأتوں کو حضورؐ کے جائز

[1] یعنی جس طرح ہم زمانہ کفر میں اسلام پر، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین نہیں رکھتے تھے بلکہ طرح طرح کے شبہات میں مبتلا تھے یہی کیفیت اب پیدا ہوئی کہ قرأت کا تو ایک ہی طریقہ صحیح ہونا چاہیے یہ متعدد طریقے اور سب صحیح آخر یہ کیا بات ہے؟ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست گرامی کی برکت کہ غلط خیالات جو پیدا ہونے لگتے تھے ایک ہی لمحہ میں ختم ہوگئے۔

رکھنے پر پیدا ہوا تھا اُن کے سامنے یہ سورت تلاوت کر کے سُنائی۔ ٹھیک اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ انھوں نے بھی حُدیبیۃ والے سال صُلح کے معاملہ پر اپنی ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے بہت سے سوالات حضورؐ سے کئے تھے، جن میں ایک یہ بھی تھا کہ کیا آپؐ نے ہمیں یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ شریف میں جائیں گے اور طواف کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں یہ تو ضرور کہا تھا لیکن یہ نہیں کہا تھا کہ اسی سال یہ ہوگا۔ یقیناً وہ وقت آرہا ہے کہ تو وہاں پہنچیگا اور طواف کریگا۔ اب حُدیبیۃ سے لوٹتے ہوئے سورۂ فتح نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بُلوایا اور یہ سورت پڑھ کر سُنائی جس میں یہ آیت بھی ہے لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ الخ یعنے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کا خواب سچا کر دکھایا۔ یقیناً تمہارا داخلہ مسجدِ حرام میں امن وامان کے ساتھ ہوگا۔ جیسے کہ پہلے اس کا بیان بھی گزر چکا، حافظ ابو نعیمؒ اپنی کتاب اسماء صحابہ میں حدیث لائے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب سورۂ بیّنہ کی قرأت سُنتا ہے تو فرماتا ہے میرے بندے خوش ہو جا مجھے اپنی عزت کی قسم میں تجھے جنت میں ایسا ٹھکانا دوں گا کہ تو خوش ہو جائیگا، یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ میں تجھے دنیا وآخرت کے احوال میں سے کسی حال میں نہ بھُولوں گا۔

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	وَهِيَ ثَمَانُ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ

جو لوگ اہل کتاب اور مشرکوں میں سے (قبل بعثت نبویہ) کافر تھے وہ (اپنے کفر سے ہرگز) باز آنے والے نہ تھے

حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ① رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ②

جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آتی۔ (یعنی) ایک اللہ کا رسول جو (ان کو) پاک صحیفے پڑھ کر سنادے

فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ③ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ

جن میں درست مضامین لکھے ہوں اور جو لوگ اہل کتاب تھے (اور غیر اہل کتاب تو بدرجۂ اولیٰ) وہ اس واضح دلیل کے آنے ہی کے بعد

مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ④ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ

(دین میں) مختلف ہو گئے حالانکہ ان لوگوں کو (کتب سابقہ میں) یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت اسی کے لئے خاص

الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ⑤

رکھیں (ادیان باطلہ سے ہٹ کر) یکسو ہو کر اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی طریقہ ہے ان درست مضامین (کی کتابوں) کا

پاکیزہ صحیفے

اہل کتاب سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔ اور مشرکین سے مراد بُت پرست عرب اور آتش پرست عجمی ہیں۔ فرماتا ہے کہ یہ لوگ بغیر دلیل کے باز رہنے والے نہ تھے، پھر بتلایا کہ وہ دلیل خدا کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو پاک صحیفے یعنی قرآن کریم پڑھ کر سُناتے ہیں جو اعلیٰ فرشتوں میں پاک ورقوں میں لکھا ہوا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ الخ کہ وہ نامی گرامی بلند وبالا پاک صاف ورقوں میں پاکباز نیکوکار بزرگ فرشتوں کے ہاتھوں لکھے ہوئے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ان پاک صحیفوں میں خدا کی لکھی ہوئی باتیں عدل واستقامت والی موجود ہیں۔ جن کے خدا کی جانب سے ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ نہ اُن میں کوئی خطا اور غلطی ہوئی ہے، حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ وہ رسولؐ عمدگی کے ساتھ قرآنی وعظ فرماتے ہیں

اور اس کی اچھی تعریفیں بیان فرماتے ہیں ابن زیدؒ فرماتے ہیں کہ ان صحیفوں میں کتابیں ہیں استقامت اور عدل و انصاف والی۔ پھر فرمایا کہ ایسی کتابوں والے خدا کی حجتیں قائم ہو چکنے اور دلیلیں آجانے کے بعد خدا تعالیٰ کے کلام کی مراد میں اختلاف کرنے لگے، اور جدا جدا راہوں میں بٹ گئے، جیسے کہ اس حدیث میں ہے جو مختلف طریقوں سے روایت ہے کہ یہودیوں کے اکہتر فرقے ہو گئے اور نصرانیوں کے بہتر اور اس امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے سوا ایک کے سب جہنم میں جائیں گے لوگوں نے پوچھا وہ ایک کون ہے فرمایا وہ جو اس راہ پر ہو جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ پھر فرمایا کہ انھیں صرف اتنا ہی حکم تھا کہ خلوص اور اخلاص کے ساتھ صرف اپنے سچے معبود کی عبادت میں لگے رہیں۔ جیسے اور جگہ فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے جتنے رسولؑ بھیجے سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو، اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ یکسو ہو کر یعنی شرک سے دور اور توحید میں مشغول ہو کر، جیسے اور جگہ ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور خدا کے سوا دوسروں کی عبادت سے بچو، حنیف کی پوری تفسیر سورۂ انعام میں گزر چکی ہے دوبارہ ذکر کی اب ضرورت نہیں۔ پھر فرمایا کہ نمازوں کو قائم کریں جو کہ بدن کی تمام عبادتوں میں سب سے اعلیٰ عبادت ہے اور زکوٰۃ دیتے رہیں، یعنی فقیروں اور محتاجوں کے ساتھ سلوک کرتے رہیں، یہی دین مضبوط سیدھا درست عدل والا اور عمدگی والا ہے ف بہت سے ائمہ کرام نے جیسے امام زہریؒ، امام شافعیؒ وغیرہ نے اس آیت سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں[ع] کیونکہ ان آیتوں میں خدا نے تعالیٰ کی خلوص اور یکسوئی کے ساتھ کی عبادت اور نماز و زکوٰۃ کو دین فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ

بیشک جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہوئے

نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ۭ۶ اِنَّ الَّذِيْنَ

آتش دوزخ میں جاویں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ لوگ وہ بدترین خلائق ہیں بیشک جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ۭ۷ جَزَاۗؤُهُمْ عِنْدَ

ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے وہ لوگ بہترین خلائق ہیں ان کا صلہ ان کے پروردگار کے

رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ

نزدیک ہمیشہ رہنے کی بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے

ع ۱ ۸ ۲۳ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝۸

(اور) اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہیگا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے یہ (جنت اور رضا) اس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے

بدترین خلائق اللہ تعالیٰ کافروں کا انجام بیان فرماتا ہے خواہ وہ یہودی و نصاریٰ ہوں یا مشرکین عرب و عجم ہوں جو بھی انبیاء اللہ کے مخالف ہوں اور کتاب خدا کے جھٹلانے والے ہوں وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ میں ڈال دیئے

ع۔ اور معلوم ہو کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اعمال کو ایمان میں داخل نہیں مانتے ہاں ایمان کا کمال درستگی اعمال ہے۔

جائیں گے۔ اور اسی میں پڑے رہیں گے نہ وہاں سے نکلیں نہ چھوٹیں، یہ لوگ تمام مخلوق سے بدتر اور کمتر ہیں۔ پھر اپنے نیک بندوں کے انجام کی خبر دیتا ہے جن کے دلوں میں ایمان ہے اور جو اپنے جسموں سے سنت کی بجا آوری میں رہا کرتے ہیں کہ یہ ساری مخلوق سے بہتر اور بزرگ ہیں ف اس آیت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علمائے کرام کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ ایمان والے انسان فرشتوں سے بھی افضل ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان کا نیک بدلہ ان کے رب کے پاس ان ہمیشگی والے جنتوں کی صورت میں ہے جن کے ہر ہر گوشہ میں پاک صاف پانی کی نہریں بہہ رہی ہیں جن میں دوام اور ہمیشگی کی زندگی کے ساتھ رہیں گے نہ وہاں سے نکالے جائیں نہ وہ نعمتیں ان سے جدا ہوں نہ کم ہوں اور نہ کوئی کھٹکا ہے نہ غم۔ پھر ان سب سے بڑھ چڑھ کر نعمت و رحمت یہ ہے کہ رضائے رب مرضی مولا انھیں حاصل ہو گئی ہے، اور انھیں اس قدر نعمتیں جناب باری تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں کہ یہ بھی بدل راضی ہو گئے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ بہترین بدلہ یہ جزائے جزیل یہ اجر عظیم دنیا میں خدا سے ڈر تے رہنے کا عوض ہے ہر وہ شخص جس کے دل میں ڈر ہو، جس کی عبادت میں اخلاص ہو جو جانتا ہو کہ خدا تعالیٰ اسکو دیکھ رہا ہے، بلکہ عبادت کے وقت اس مشغولی اور دلچسپی سے عبادت کر رہا ہو کہ گویا وہ خود اپنی آنکھوں سے اپنے خالق مالک سچے رب اور حقیقی خدا کو دیکھ رہا ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بہتر شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا ضرور، فرمایا وہ شخص جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوتے ہے کہ کب جہاد کی آواز اُٹھے۔ اور کب میں کود کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو جاؤں، اور کڑکڑاتا ہوا دشمن کی فوج میں گھسوں، اور داد شجاعت دوں۔ لو میں تمہیں ایک اور بہترین مخلوق کی خبر دوں، وہ شخص جو اپنی بکریوں کے ریوڑ میں ہے نہ نماز کو چھوڑتا ہے نہ زکوٰۃ سے جی چراتا ہے، آؤ اب میں بدترین مخلوق بتاؤں وہ شخص کہ خدا کے نام سے سوال کرے اور پھر نہ دیا جائے۔ سورۂ بیّنہ کی تفسیر ختم ہوئی اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے؛

تفسیر سورۂ الزلزال مدنیہ

ترمذی شریف میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا حضورؐ مجھے پڑھائیے، آپؐ نے فرمایا الٓرٰ والی تین سورتیں پڑھو تو اس نے کہا بوڑھا بہت ہو گیا حافظہ کمزور ہو گیا زبان موٹی ہو گئی۔ تو آپؐ نے فرمایا اچھا حٰمٓ والی سورتیں پڑھا کرو، اس نے پھر وہی عذر بیان کیا آپؐ نے فرمایا یُسَبِّحُ والی تین سورتیں پڑھ لیا کرو، اس نے پھر وہی عذر بیان کیا اور درخواست کی کہ حضورؐ مجھے تو کوئی جامع سورت کا سبق دید یجئے تو آپؐ نے اُسے یہ سورت پڑھائی، جب پڑھا چکے تو وہ کہنے لگا کہ اس خدا کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے کہ میں کبھی اس پر زیادتی نہ کروں گا۔ پھر وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو آپؐ نے فرمایا اس مرد نے فلاح پالی یہ نجات کو پہنچ گیا۔ پھر فرمایا ذرا اسے بلا لانا۔ وہ حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا مجھے بقرعید کا حکم کیا گیا ہے

ف بکریوں بھیڑوں میں چرواہا ہر وقت ان کی نگرانی میں مصروف رہتا ہے، بھیڑیئے کا ڈر، کھیتوں میں بکریوں کے گھس جانے کا خطرہ۔ کبھی ادھر اور کبھی ادھر اس حالت میں بھی نماز کی فکر اور اہتمام اس سے بڑھکر دینداری اور کیا ہو گی پس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ شخص جو دنیا میں مصروفیت کے باوجود نماز وغیرہ کی فکر رکھے گا وہ اس حدیث کا مصداق ہے۔ علٰہ یعنی حرف اس کی تلاوت کیا کروں گا نہ اس سے زیادہ اور نہ اس سے کم، اور آپؐ کا فرمانا کہ اس نے فلاح پائی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مقدور بھر مقدار پر ہمیشہ تلاوت فلاح دین و دنیا کا باعث ہے۔

اُس دن کو اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کی عید کا دن بنایا ہے تو اُس شخص نے کہا کہ اگر میرے پاس قربانی کا جانور نہ ہو اور کسی شخص نے مجھے دودھ پینے کے لئے کوئی جانور تحفتہً دے رکھا ہو تو کیا میں اُسے ذبح کر ڈالوں، فرمایا نہیں نہیں پھر تو تُو اپنے بال کتروا، ناخن لوا۔ مونچھیں پست کرا۔ زیر ناف کے بال لے۔ اللہ تعالیٰ عزّوجلّ کے نزدیک تیری پوری قربانی یہی ہے، یہ حدیث مسند احمد، ابوداؤد نسائی میں بھی ہے۔ ترمذی شریف کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اس سورت کو پڑھے تو اُسے نصف قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے، یہ حدیث غریب ہے اور روایت میں ہے کہ اِذَا زُلْزِلَتْ آدھے قرآن کے برابر ہے اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ تہائی قرآن کے برابر ہے اور قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ۔ چوتھائی قرآن کے برابر ہے، یہ حدیث بھی غریب ہے اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابیوں میں سے ایک سے فرمایا کہ کیا تم نے نکاح کر لیا اُس نے کہا نہیں حضورؐ میرے پاس اتنا ہے ہی نہیں جو میں اپنا نکاح کر سکوں، آپؐ نے فرمایا قُلْ ھُوَ اللّٰہُ تیرے ساتھ نہیں ؟ اُس نے کہا ہاں یہ تو ہے ؟ فرمایا تہائی قرآن یہ ہوا۔ فرمایا کیا اِذَا جَآءَ نہیں ؟ کہا وہ بھی ہے، فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا۔ فرمایا کیا قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ یاد نہیں ؟ کہا ہاں، فرمایا چوتھائی قرآن کے برابر یہ ہے، جا اب نکاح کر لے، یہ حدیث حسن ہے، یہ تینوں حدیثیں صرف ترمذی میں ہیں

سُوْرَۃُ الزِّلْزَالِ مَدَنِیَّۃٌ	بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○	وَھِیَ ثَمَانِیْ اٰیَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ⓵ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ⓶ وَقَالَ

جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جاویگی اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی اور اس حالت کو دیکھ کر کافر

الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ⓷ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ⓸ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ⓹

آدمی کہیگا کہ اس کو کیا ہوا اس روز زمین اپنی سب (اچھی بری) خبریں بیان کرنے لگے گی اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۥ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ⓺ فَمَنْ يَّعْمَلْ

اس روز مختلف جماعتیں ہو کر (موقف حساب سے) واپس ہوں گے تاکہ اپنے اعمال (کے ثمرات) کو دیکھ لیں سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ⓻ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ⓼

نیکی کرے گا وہ (وہاں) اسکو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

یہ زلزلے زمین نیچے سے اوپر تک کپکپانے لگے گی اور جتنے مُردے اُس میں ہیں سب نکال پھینکے گی جیسے اور جگہ ہے یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ۔ لوگو اپنے رب سے ڈرو۔ یقین مانو کہ قیامت کا زلزلہ اور اس دن کی بھونچال بڑی چیز ہے ایک اور موقع پر ارشاد ہے کہ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ○ وَاَلْقَتْ مَا فِیْھَا وَتَخَلَّتْ ○ جب کہ زمین کھینچ کھانچ کر برابر ہموار کر دی جائیگی اور اس میں جو کچھ ہے وہ اُسے باہر اُگل دے گی، اور بالکل خالی ہو جائیگی۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں زمین اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو اُگل دے گی، سونا چاندی مثل ستونوں کے باہر نکل پڑے گا۔ قاتل اُسے دیکھ کر افسوس کرتا ہوا کہے گا کہ ہائے اسی مال کے لئے میں نے فلاں کو قتل کیا تھا آج یہ یوں اِدھر اُدھر ڈل رہا ہے کوئی آنکھ بھر کر دیکھتا بھی نہیں، اسی طرح صلہ رحمی توڑنے والا بھی کہے گا۔ کہ اسی کی محبت میں آکر رشتے داروں سے میں سلوک نہیں کرتا تھا، چور بھی کہے گا کہ اسی کی محبت میں میں نے ہاتھ کٹوا دیئے۔ غرض کہ وہ مال یونہی رُلتا پھرے گا۔ کوئی نہیں لیگا، انسان

اُس وقت حیران و پریشان رہ جائے گا اور کہے گا کہ یہ تو ہلنے جلنے والی نہ تھی بالکل ٹھہری ہوئی بوجھل اور جمی ہوئی تھی اسے کیا ہو گیا کہ یوں بید کی طرح تھرّانے لگی، اور ساتھ ہی جب دیکھے گا کہ تمام اگلی پچھلی لاشیں بھی زمین نے اگل دیں تو اور حیران و پریشان ہو جائیگا کہ آخر اسے کیا ہو گیا ہے؟ پس زمین بالکل بدل دی جائیگی اور آسمان بھی، اور سب لوگ اُس غالب خدا کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ زمین صاف صاف گواہی دیگی کہ فلاں فلاں شخص نے فلاں فلاں نافرمانی اُس پر کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کرکے فرمایا جانتے بھی ہو کہ زمین کی بیان کردہ خبریں کیا ہوں گی؟ لوگوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ ہی کو خوب علم ہے، تو آپؐ نے فرمایا جو جو اعمال بنی آدم نے زمین پر کئے ہیں وہ تمام ظاہر کر دے گی کہ فلاں فلاں شخص نے فلاں نیکی یا بدی فلاں جگہ فلاں وقت کی ہے۔

امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن صحیح غریب بتلاتے ہیں معجم طبرانی میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا زمین سے بچو یہ تمہاری ماں ہے۔ جو شخص جو نیکی بدی اس پر کرتا ہے یہ سب کھول کر بیان کر دے گی۔ یہاں وحی سے مراد حکم دینا ہے اَوْحیٰ اور اس کے ہم معنی افعال کا صلہ حرف لام بھی آتا ہے اور اِلیٰ بھی مطلب یہ ہے کہ خدا اسے فرمائیگا کہ بتا اور وہ بتائی جائیگی، اس دن لوگ حساب کی جگہ سے مختلف قسموں کی جماعتیں بن بن کر لوٹیں گے، کوئی بد ہو گا کوئی نیک کوئی جنتی بنا ہو گا کوئی جہنمی۔ یہ معنی بھی ہیں کہ یہاں سے جو الگ الگ ہوں گے تو پھر اجتماع نہ ہو گا، یہ اسلئے کہ وہ اپنے اعمال کو جان لیں اور بھلائی برائی کا بدلہ پالیں اسی لئے آخر میں بھی بیان فرمادیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گھوڑوں والے تین قسم کے ہیں، ایک اجر پانے والا، ایک پردہ پوشی والا، ایک بوجھ اور گناہ والا، اجر والا تو وہ ہے جو گھوڑا پالتا ہے جہاد کی نیت سے اگر اس کے گھوڑے کی اگاڑی، پچھاڑی ڈھیلی ہو گئی اور یہ ادھر اُدھر سے چرتا رہا تو یہ بھی گھوڑے والے کے لئے اجر کا باعث ہے اور اگر یہ رسّی اس کی ٹوٹ گئی اور یہ ادھر اُدھر چڑھ گیا تو اس کے نشانِ قدم اور اس کی لید کا بھی اسے ثواب ملتا ہے اگر یہ کسی نہر پر جا کر پانی پی لے گو ارادہ پلانے کا نہ ہو تاہم ثواب مل جاتا ہے پس گھوڑا اس شخص کے لئے سراسر اجر و ثواب ہے، دوسرا وہ شخص جس نے اس لئے پال رکھا ہے کہ دوسروں سے بے پرواہ رہے اور کسی سے سوال کی ضرورت نہ ہو لیکن خدا کا حق نہ تو خود اس میں بھولتا ہے نہ اس کی سواری میں پس یہ اس کے لئے پردہ ہے، تیسرا وہ شخص ہے جس نے فخر و ریاکاری اور ظلم و ستم کے لئے پال رکھا ہے پس یہ اس کے ذمّہ بوجھ اور اس کے لئے گناہ ہے پھر حضورؐ سے سوال ہوا کہ گدھوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا مجھ پر خدائے تعالیٰ کی جانب سے سوائے اس تنہا اور جامع آیت کے اور کچھ نازل نہیں ہوا کہ ذرّے برابر نیکی اور اتنی ہی بدی ہر شخص دیکھ لے گا۔ (مسلم) حضرت صعصعہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو حضورؐ کی زبانی یہ آیت سُنکر کہہ دیا تھا کہ صرف یہی آیت کافی ہے اور زیادہ اگر نہ بھی سُنوں تو کوئی ضرورت نہیں (مسند احمد نسائی) صحیح بخاری شریف میں بروایت حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے کہ آگ سے بچو اگرچہ آدھی کھجور کا صدقہ ہی ہو۔ اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ نیکی کے کام کو ہلکا نہ سمجھو گو اتنا ہی کام ہو کہ تو اپنے ڈول میں سے ذرا سا پانی کسی پیاسے کو پلوا دے یا اپنے کسی مسلمان بھائی سے کشادہ روئی اور خندہ پیشانی سے ملاقات کر لے، دوسری ایک صحیح حدیث میں ہے کہ اے ایمان والی عورتو! تم اپنی پڑوسن کے بھیجے ہوئے تحفے ہدیئے کو حقیر نہ سمجھو گو ایک ہی کھُر آیا ہو۔ اور حدیث میں ہے کہ سائل کو کچھ نہ کچھ دیدو گو جلا ہوا کھُر ہی ہو (مسند احمد) کی حدیث میں ہے کہ اے عائشہؓ گناہوں کو حقیر نہ سمجھو یاد رکھو کہ ان کا بھی حساب لینے والا ہے۔ ابن جریرؒ میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ یہ آیت اتری تو حضرت صدیقؓ نے کھانے سے ہاتھ اٹھا لیا اور پوچھنے لگے کہ یا رسول اللہ کیا ہم کو ایک ایک ذرّے برابر برائی کا بدلہ دیا جائیگا تو آپؐ نے فرمایا اے صدیقؓ دنیا میں جو جو تکلیفیں تمہیں پہنچی ہیں یہ تو اس میں آگئیں اور نیکیاں تمہارے لئے خدا کے ہاں ذخیرہ بنی ہوئی ہیں اور ان سب کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن تمہیں دیا جائے گا ابن جریر کی ایک اور روایت ہے کہ یہ سورت حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں نازل ہوئی تھی آپ اسے سنکر بہت روئے۔ حضورؐ نے سبب پوچھا تو آپؓ نے فرمایا مجھے یہ سورت رُلا رہی ہے، آپؐ نے فرمایا

اگر تم خطا اور گناہ نہ کرتے کہ تمہیں بخشا جائے اور معاف کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کسی اور اُمت کو پیدا کرتا جو خطا اور گناہ کرتے اور خدا انھیں بخشتا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ سے یہ آیت سُنکر پوچھا کہ حضورؐ کیا مجھے اپنے سب اعمال دیکھنے پڑیں گے آپؐ نے فرمایا ہاں، پوچھا بڑے بڑے، فرمایا ہاں، پوچھا اور چھوٹے چھوٹے بھی فرمایا ہاں، میں نے کہا ہائے افسوس! آپؐ نے فرمایا، ابو سعیدؓ خوش ہو جاؤ نیکی تو دس گنے سے لیکر سات سو گنے تک بلکہ اس سے بھی زیادہ تک خدا جسے چاہے دے گا، ہاں گناہ اُسی کے مثل ہوں گے یا اللہ تعالیٰ اُسے بھی بخش دیگا۔ سُنو کسی شخص کو صرف اُس کے اعمال نجات نہ دے سکیں گے۔ میں نے کہا حضورؐ کیا آپؐ کو بھی نہیں؟ فرمایا نہ مجھے بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لے اس کے راویوں میں ایک ابن لہیعہ ہیں یہ روایت صرف انہی کی منقول ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب آیت وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ الخ نازل ہوئی، یعنی مال کی محبت کے باوجود مسکین یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں تو لوگ یہ سمجھ گئے کہ اگر ہم تھوڑی سی چیز راہِ اللہ دیں گے تو کوئی ثواب نہ ملے گا، مسکین اُن کے دروازے پر آتا لیکن ایک آدھ کھجور یا روٹی کا ٹکڑا وغیرہ دینے کو حقیر خیال کر کے یونہی لوٹا دیتے تھے اگر دیں تو کوئی اچھی محبوب و مرغوب چیز دیں، ادھر تو اس خیال کی یہ ایک جماعت تھی دوسری جماعت وہ تھی جنھیں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں پر ہماری پکڑ نہ ہو گی، مثلاً کبھی کوئی جھوٹ بات کہہ دی کبھی اِدھر اُدھر نظریں ڈال لیں کبھی غیبت کر لی وغیرہ جہنم کی وعید تو کبیرہ گناہوں پر ہے تو یہ آیت فَمَنْ يَّعْمَلْ نازل ہوئی، اور انھیں یہ بتلایا گیا کہ چھوٹی سی نیکی کو حقیر نہ سمجھو یہ بڑی ہو کر ملے گی، اور تھوڑے سے گناہ کو بھی بے جان نہ سمجھو کہیں تھوڑا تھوڑا مل کر بہت نہ بن جائے، ذرّہ کے معنی چھوٹی چیونٹی کے ہیں یعنی نیکیوں کو اور بُرائیوں کو چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی اپنے نامۂ اعمال میں دیکھ لے گا۔ بدی تو ایک ہی لکھی جاتی ہے نیکی ایک کے بدلے دس بلکہ جس کے لئے خدا چاہے اس سے بھی بہت زیادہ بلکہ ان نیکیوں کے بدلے بُرائیاں بھی معاف ہو جاتی ہیں، ایک ایک نیکی کے بدلے دس دس بُرائیاں معاف ہو جاتی ہیں، پھر یہ بھی ہے کہ جس کی نیکی بُرائی سے ایک ذرّے کے برابر بڑھ گئی وہ جنتی ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گناہوں کو ہلکا نہ سمجھا کرو یہ سب جمع ہو کر آدمی کو ہلاک کر ڈالتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بُرائیوں کی مثال بیان فرمائی کہ جیسے کچھ لوگ کسی جگہ اُترے پھر ایک ایک دو دو لکڑیاں چن لائے تو لکڑیوں کا ڈھیر لگ جائیگا۔ پھر اگر انھیں سلگائی جائیں تو اس آگ میں جو چاہیں پکا سکتے ہیں (اسی طرح تھوڑے تھوڑے گناہ بہت زیادہ ہو کر آگ کا کام کرتے ہیں اور انسان کو جلا دیتے ہیں) سورۃ الزلزال کی تفسیر ختم ہوئی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

تفسیر سورۂ والعادیات مکیۃ

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	وَهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان اور نہایت رحم والے ہیں

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ﴿۳﴾

قسم ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں پھر (پتھر پر) ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج کرتے ہیں

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ

پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں پھر اس وقت (دشمنوں کی) جماعت میں جا گھستے ہیں بیشک (کافر) آدمی اپنے پروردگار

لَكَنُوْدٌ ۝٦ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝٧ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ

کا بڑا ناشکرا ہے اور اس کو خود بھی اس کی خبر ہے (کبھی اول وہلہ میں کبھی بعد تامل) اور وہ مال کی محبت میں

لَشَدِيْدٌ ۝٨ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝٩ وَحُصِّلَ مَا

بڑا مضبوط ہے کیا اسکو وہ وقت معلوم نہیں کہ جب زندہ کئے جاویں گے جتنے مردے قبروں میں ہیں اور آشکارا ہو جاویگا

فِي الصُّدُوْرِ ۝١٠ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝١١

جو کچھ دلوں میں ہے بیشک ان کا پروردگار ان کے حال سے اس روز پورا آگاہ ہے

قسم ہے ان صبا رفتار گھوڑوں کی

مجاہدین کے گھوڑے جب کہ خدا کی راہ کی لئے ہانپتے اور ہنہناتے ہوئے دوڑتے ہیں اُن کی اللہ تبارک و تعالیٰ قسم کھاتا ہے پھر اس تیزی میں دوڑتے ہوئے پتھروں کے ساتھ اُن کی نعل کا ٹکرانا اور اُس رگڑ سے آگ کی چنگاریاں اُڑنا پھر صبح کے وقت دشمن پر ان کا چھاپہ مارنا اور دشمنانِ خدا کو تہ و بالا کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی عادت مبارک تھی کہ دشمن کی کسی بستی پر آپؐ جاتے تو وہاں رات کو ٹھیر کر سُنتے اگر اذان کی آواز آ گئی تو آپؐ رُک جاتے نہ آتی تو لشکر کو حکم دیتے کہ حملہ کریں پھر ان گھوڑوں کا گرد و غبار اڑانا اور ان سب کا دشمنوں کے درمیان گھس جانا، ان سب چیزوں کی قسم کھا کر پھر مضمون شروع ہوتا ہے حضرت عبد اللہؓ سے منقول ہے کہ وَالْعَادِيَاتِ سے مراد اونٹ ہیں حضرت علیؓ بھی یہی فرماتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ اس سے مراد گھوڑے ہیں، جب حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا گھوڑے ہمارے پاس بدر والے دن تھے ہی کب ؟ یہ تو اُس چھوٹے لشکر میں تھا جو بھیجا گیا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آکر اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا اس سے مراد مجاہدین کے گھوڑے ہیں جو بوقت جہاد دشمنوں پر دھاوا بولتے ہیں پھر رات کے وقت یہ گھوڑے سوار مجاہد اپنے کیمپ میں آکر کھانا پکانے کے لئے آگ جلاتے ہیں۔ وہ یہ پوچھکر حضرت علیؓ کے پاس گیا آپ اُس وقت زمزم کا پانی لوگوں کو پلا رہے تھے اُس نے آپ سے یہی سوال کیا آپ نے فرمایا مجھ سے پہلے کسی اور سے بھی تم نے پوچھا ہے ؟ کہا ہاں حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا ہے تو انھوں نے فرمایا مجاہدین کے گھوڑے ہیں جو خدا کی راہ میں دھاوا کریں حضرت علیؓ نے فرمایا جانا ذرا اُنھیں میرے پاس بُلا لانا، جب وہ آ گئے تو حضرت علیؓ نے فرمایا تمہیں معلوم نہیں اور تم لوگوں کو فتوے دے رہو، خدا کی قسم پہلا غزوہ اسلام میں بدر کا ہوا اُس لڑائی میں ہمارے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے ایک حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، دوسرا حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تو عَادِيَاتٍ ضَبْحًا یہ کیسے ہو سکتے ہیں اس سے مراد تو عرفات سے مزدلفہ کی طرف جانے والے اور پھر مزدلفہ سے منٰی کی طرف جانے والے ہیں حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں یہ سُنکر میں نے اپنے اگلے قول سے رجوع کر لیا اور حضرت علیؓ نے جو فرمایا تھا وہی کہنے لگا۔ مزدلفہ میں پہنچکر حاجی بھی اپنی ہنڈیا روٹی کے لئے آگ سُلگاتے ہیں غرض حضرت علیؓ کا فرمان یہ ہوا کہ اس سے مراد اونٹ ہیں اور یہی قول ایک جماعت کا ہے جن میں ابراہیم عبید بن عمیر وغیرہ ہیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے گھوڑے منقول ہیں، مجاہد عکرمہ عطا، قتادہ ضحاک بھی یہی کہتے ہیں اور امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں، بلکہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عطا رحؒ سے مروی ہے کہ ضَبْح یعنی ہانپنا کسی جانور کے لئے نہیں ہوتا سوائے گھوڑے اور کُتّے کے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان کے مُنہ سے ہانپتے ہوئے جو آواز اُخ اُخ کی نکلتی ہے یہی ضبح ہے اور دوسرے جملے کے ایک تو معنیٰ یہ کئے گئے ہیں کہ ان گھوڑوں کی ٹاپوں کا پتھر سے ٹکرا کر آگ پیدا کرنا اور دوسرے معنے یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ان کے سواروں کا لڑائی کی آگ کو بھڑکانا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لڑائی میں مکر و دھوکہ کرنا، اور یہ بھی ہے کہ راتوں کو اپنی

قیام گاہ پہنچ کر آگ روشن کرنا اور مزدلفہ میں حاجیوں کا بعد از مغرب پہنچکر آگ جلانا، امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک سب سے زیادہ ٹھیک قول یہی ہے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں اور سموں کا پتھر سے رگڑ کھا کر آگ پیدا کرنا، پھر صبح کے وقت مجاہدین کا دشمنوں پر اچانک ٹوٹ پڑنا، اور جن صاحبان نے اس سے مراد اونٹ لئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مزدلفہ سے منیٰ کی طرف صبح کو جانا ہے، پھر یہ سب کہتے ہیں کہ پھر ان کا جس مکان میں یہ اُترے ہیں خواہ جہاد میں ہوں خواہ حج میں غبار اڑانا، پھر ان مجاہدین کا کفار کی فوجوں میں درانہ گھس جانا اور چیرتے پھاڑتے مارتے پچھاڑتے ان کے بیچ لشکر میں پہنچ جانا، اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ سب جمع ہو کر اس جگہ درمیان میں آجاتے ہیں، تو اس صورت میں جمعاً حال مؤکد ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ ابوبکر بزار میں اس جگہ ایک غریب حدیث ہے جس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا تھا۔ ایک مہینہ گزر گیا۔ لیکن اس کی کوئی خبر نہ آئی۔ اس پر آیتیں اتریں اور اس لشکر کی خدائے تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کے گھوڑے ہانپتے ہوئے تیز چال سے گئے ان کے سموں کی ٹکر سے چنگاریاں اڑ رہی تھیں انھوں نے صبح ہی صبح دشمنوں پر پوری یلغار کے ساتھ حملہ کردیا ان کی ٹاپوں سے گرد اڑ رہا تھا پھر غالب آکر سب جمع ہو کر بیٹھ گئے۔ ان قسموں کے بعد اب وہ مضمون بیان ہو رہا ہے جس پر قسمیں کھائی گئی تھیں کہ انسان اپنے رب کی نعمتوں کا قدردان نہیں۔ اگر کوئی دکھ درد کسی وقت آگیا ہے تو وہ بخوبی یاد ہے لیکن خداوند تعالیٰ کی ہزارہا نعمتیں جو ہیں سب کو بھلائے ہوئے ہے۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ کنود وہ ہے جو تنہا کھائے غلاموں کو مارے اور احسان وسلوک نہ کرے اس کی اسناد ضعیف ہے۔ پھر فرمایا خدا اس پر شاہد ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خود اس بات پر اپنا گواہ آپ ہے، اس کی ناشکری اس کے افعال و اقوال سے صاف ظاہر ہے جیسے اور جگہ ہے شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنفُسِهِم بِالْكُفْرِ۔ یعنی مشرکین سے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کی آبادی نہیں ہو سکتی جب کہ یہ اپنے کفر کے آپ گواہ ہیں، پھر فرمایا یہ مال کی چاہت میں بڑا سخت ہے یعنی اسے مال کی بے حد محبت ہے اور یہ بھی معنی ہیں کہ اس کی محبت میں پھنس کر ہماری راہ میں دینے سے جی چراتا ہے اور بخل کرتا ہے، پھر پروردگار عالم اسے دنیا سے بے رغبت کرنے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے فرما رہا ہے کہ کیا انسان کو یہ معلوم نہیں کہ ایک وقت وہ آرہا ہے کہ جب تمام مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور جو کچھ باتیں چھپی لگی ہوئی تھیں سو وہ ظاہر ہو جائیں گی سُن لو ان کا رب ان کے تمام کاموں سے باخبر ہے اور ہر ایک عمل کا بدلہ پورا پورا دینے والا ہے، ایک ذرے کے برابر وہ ظلم روا نہیں رکھتا۔ اور نہ رکھے۔ سورۃ عادیات کی تفسیر خدا کے فضل واحسان سے ختم ہوئی والحمد للہ رب العالمین ؛

تفسیر سورۃ قارعہ مکیّہ

هِيَ إِحْدَىٰ عَشْرَةَ آيَةً	بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ○	سُورَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

الْقَارِعَةُ ① مَا الْقَارِعَةُ ② وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ③ يَوْمَ يَكُونُ

وہ کھڑکھڑانے والی چیز کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز اور آپ کو معلوم ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز جس روز آدمی

النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ④ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنفُوشِ ⑤

پریشان پروانوں کی طرح ہو جائیں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ ﴿۶﴾ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنْ

(وہ شیشے متفرق ہوکر اڑ جاتا ہے) پھر (وزن اعمال کے بعد) جس شخص کا پلہ (ایمان کا) بھاری ہوگا وہ تو خاطر خواہ آرام میں ہوگا (یعنی ناجی ہوگا) اور جس شخص کا پلہ (ایمان کا) ع ۱

خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ ﴿۹﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِیَهْ ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِیَةٌ ﴿۱۱﴾ ۲

ہلکا ہوگا (یعنی وہ کافر ہوگا) تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ ہاویہ کیا چیز ہے (وہ) ایک دہکتی ہوئی آگ ہے

کھڑ کھڑا دینے والی قارعۃ بھی قیامت کا نام ہے جیسے حَاقَّۃٌ طَامَّۃٌ صَاخَّۃٌ غَاشِیَۃٌ وغیرہ اُس کی بڑائی اور ہولناکی کے بیان کے لئے سوال ہوتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے؟ اس کا علم بغیر میرے بتائے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا ہے پھر خود بتلاتا ہے کہ اُس دن لوگ منتشر اور پراگندہ حیران و پریشان اِدھر اُدھر گھوم رہے ہوں گے جس طرح پروانے ہوتے ہیں جیسے اور جگہ فرمایا ہے کَاَنَّھُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ گویا وہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئی۔ پھر فرمایا پہاڑوں کا یہ حال ہوگا کہ وہ دھنی ہوئی اُون کی طرح اِدھر اُدھر اُڑتے نظر آئیں گے۔ پھر فرماتا ہے اُس دن ہر نیک و بد کا انجام ظاہر ہو جائے گا نیکوں کی عظمت اور بروں کی اہانت کھل جائیگی جس کی نیکیاں وزن میں برائیوں سے بڑھ گئیں وہ عیش و آرام کی جنت میں بسر کریگا۔ اور جس کی بد اعمالیاں نیکیوں پر چھا گئیں، بھلائیوں کا پلڑا ہلکا ہوگیا وہ جہنمی ہو جائے گا وہ مُنہ کے بل اوندھا جہنم میں گرا دیا جائے گا اُمّ سے مراد دماغ ہے یعنی سر کے بل ہاویہ میں جائیگا اور یہ بھی معنی ہیں کہ فرشتے جہنم میں اس کے سر پر عذاب کی بارش برسائیں گے اور یہ بھی مطلب ہے کہ اس کا اصلی ٹھکانا وہ جگہ جہاں اس کے لئے قرارگاہ مقرر کیا گیا ہے وہ جہنم ہے ھَاوِیَۃٌ جہنم کا نام ہے اسی لئے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں نہیں معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ اب میں بتاتا ہوں کہ وہ شعلے مارتی بھڑکتی ہوئی آگ ہے، حضرت اشعث بن عبداللہؒ فرماتے ہیں مومن کی موت کے بعد اُس کی رُوح کو ایمانداروں کی روحوں کی طرف لے جاتے ہیں اور فرشتے اُن سے کہتے ہیں کہ اپنے بھائی کی دل جوئی اور تسلّی کردیہ دنیا کے رنج و غم میں مبتلا تھا اب وہ نیک روحیں اس سے پوچھتی ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے؟ وہ کہتا ہے کہ وہ تو مر چکا۔ کیا تمہارے پاس نہیں آیا تو یہ سمجھ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بس اُسے وہ تو اپنی ماں ہاویہ میں پہنچا۔ ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں یہ بیان خوب تفصیل سے ہے اور ہم نے بھی اُسے کتاب صفۃ النار میں ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے اُس آگ جہنم سے نجات دے آمین! پھر فرماتا ہے کہ وہ سخت تیز حرارت والی آگ ہے، بڑے شعلے مارنے والی جھلسا دینے والی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمہاری یہ آگ تو اس کا سترواں حصّہ ہے لوگوں نے کہا حضرتؐ ہلاکت کو تو یہی کافی ہے، آپؐ نے فرمایا ہاں لیکن آتشِ دوزخ تو اس سے انہتر حصّے تیز ہے صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے اور اُس میں یہ بھی ہے کہ ہر ہر حصّہ اس آگ جیسا ہے مسند احمد میں بھی یہ روایت موجود ہے مسند کی ایک حدیث میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ یہ آگ باوجود اُس آگ کا سترواں حصّہ ہونے کے پھر بھی دو مرتبہ سمندر کے پانی میں بجھا کر بھیجی گئی ہے اگر یہ نہ ہوتا تو اس سے بھی نفع نہ اُٹھا سکتے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ یہ آگ سوواں حصّہ ہے طبرانی میں ہے جانتے ہو کہ تمہاری اس آگ اور آگِ جہنم کے درمیان کیا نسبت ہے؟ تمہاری اس آگ کے دھوئیں سے بھی ستر حصّہ زیادہ سیاہ خود وہ آگ ہے ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ جہنم کی آگ ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سُرخ ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سفید ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سیاہ ہوگئی، پس اب وہ سخت سیاہ اور بالکل اندھیرے والی ہے مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی وہ ہے جس کے پیروں میں آگ کی دو جوتیاں ہوں گی جن سے اُس کا دماغ پکتی ہوئی ہانڈی کی طرح جوش لے رہا ہوگا صحیحین میں ہے کہ آگ نے اپنے رب کی طرف شکایت

عہ عرب کے خطیب جوش کے موقع پر اپنی تقریروں میں سوالات اور پیہم کرتے قرآن مجید نے اسی اسلوب کے مطابق اس موقع پر بار بار سوال کیا تاکہ مخاطبین خوب متوجہ ہوں۔

کی کہ خدایا میرا ایک حصہ دوسرے کو کھائے جا رہا ہے تو پروردگار نے اُسے دو سانس لینے کی اجازت دی، ایک جاڑے میں ایک گرمی میں، پس سخت جاڑا جو تم پاتے ہو یہ اُس کا ٹھنڈا سانس ہے اور سخت گرمی جو پڑتی ہے یہ اُس کے گرم سانس کا اثر ہے اور حدیث میں ہے کہ جب گرمی شدت کی پڑے تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو، کیونکہ گرمی کی سختی جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے۔ الحمد للہ سورہ قارعہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

سُورَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | وَهِيَ ثَمَانُ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ① حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ② كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ③ ثُمَّ

(دنیاوی ساز و سامان پر) فخر کرنا (جو کہ علامت ہے محبت و طلب کی) تم کو (آخرت سے) غافل کئے رکھتا ہے یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو ہرگز نہیں تم کو بہت

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ④ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ⑤ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ⑥

(کہ تمہاری یہ حالت ٹھیک نہیں۔ بہت جلد معلوم ہو جائیگا۔ ہرگز نہیں (اور) اگر تم یقینی طور پر دلائل سمجھ (واجب الاتباع) ہو اس بات کو جان لیتے۔ واللہ تم لوگ دوزخ

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ⑦ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ⑧

پھر دکھرنا کید کیلئے کہا جاتا ہے) واللہ تم لوگ اس کو ایسا دیکھنا دیکھو گے جو کہ خود یقین ہے پھر (اور بات سنو کہ) اس روز تم سب سے نعمتوں کی پوچھ ہوگی۔

حُبّ دنیا ارشاد ہوتا ہے کہ حب دنیا کی محبت اور اس کے حاصل کرنے کی کوشش نے تمہیں آخرت کی طلب اور نیک کاموں سے غافل کر دیا، تم اسی دنیا کی اُدھیڑ بُن میں رہے کہ اچانک موت آگئی اور تم قبروں میں پہنچ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اطاعت پروردگار سے تم نے دنیا کی جستجو میں پھنس کر بے رغبتی کر لی اور مرتے دم تک غفلت برتی (ابن ابی حاتم) حسن بصری فرماتے ہیں کہ مال اور اولاد کی زیادتی کی ہوس میں موت کا خیال تک نہ آیا۔ صحیح بخاری کتاب الرقاق میں ہے کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادٍ مِّنْ ذَهَبٍ۔ یعنی اگر ابن آدم کے پاس ایک جنگل بھر کر سونا ہو، اسے ہم قرآن کی آیت ہی سمجھتے رہے یہاں تک کہ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ نازل ہوئی۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن شخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب آیا تو آپ اس آیت کو پڑھ رہے تھے آپؐ نے فرمایا ابن آدم کہتا رہتا ہے کہ میرا مال میرا مال، حالانکہ تیرا مال صرف وہ ہے جسے تو نے کھا کر فنا کر دیا، یا پہن کر پھاڑ دیا۔ یا صدقہ دے کر باقی رکھ لیا صحیح مسلم شریف میں اتنا اور زیادہ ہے کہ اس کے سوا جو کچھ ہے اسے تو لوگوں کے لئے چھوڑ کر چل دے گا۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں جن میں سے دو تو پلٹ آتی ہیں صرف ایک ساتھ رہ جاتی ہے، گھر والے، مال اور اعمال، اہل و مال تو لوٹ آئے عمل ساتھ رہ گئے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن دو چیزیں اس کے ساتھ باقی رہ جاتی ہیں، لالچ اور طویل تمنائیں، حضرت ضحاکؒ نے ایک شخص کے ہاتھ میں ایک درہم دیکھ کر پوچھا کہ یہ درہم کس کا ہے؟ اس نے کہا میرا، فرمایا تیرا تو اس وقت ہوگا کہ کسی نیک کام میں تو خرچ کر دے یا بطور شکر خدا کے خرچ کرے، حضرت احنفؒ نے اس واقعہ کو بیان کر کے پھر یہ شعر پڑھا ؎ اَنْتَ لِلْمَالِ اِذَا اَمْسَكْتَهٗ ❊ فَاِذَا اَنْفَقْتَهٗ فَالْمَالُ لَكَ۔ یعنی جب تو مال کو لئے بیٹھا ہے

ع۱ یعنی ذرا دیر سے نماز پڑھو مثلاً گرمیوں میں ظہر کی نماز ذرا تاخیر سے پڑھنا چاہیے۔

تو تو مال کی ملکیت ہے، ہاں جب اُسے خرچ کر دیگا اُس وقت مال تیری ملکیت میں ہو جائیگا ابن بریدہؓ فرماتے ہیں بنو حارثہ اور بنو حارث انصار کے قبائل آپس میں فخر و غرور کرنے لگے، ایک کہتا دیکھو ہم میں فلاں شخص ایسا بہادر ایسا جیوٹ ایسا تناور اور مالدار وغیرہ ہے، دوسرے قبیلے والے اپنے میں ایسوں کو پیش کرتے تھے، جب زندوں کے ساتھ یہ فخر و مباہات کر چکے تو کہنے لگے کہ آؤ قبرستان میں چلیں وہاں جاکر اپنے اپنے مُردوں کی قبروں کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے بتلاؤ اس جیسا بھی تم میں کوئی گزرا ہے وہ انھیں اپنے مُردوں کے ساتھ الزام دینے لگے، اس پر یہ دونوں ابتدائی آیتیں اُتریں، کہ تم فخر و مباہات کرتے ہوئے قبرستان پہنچ گئے اور اپنے اپنے مُردوں پر بھی فخر و غرور کرنے لگے، چاہیے تھا کہ یہاں آکر عبرت حاصل کرتے اپنا مرنا اور سڑنا گلنا یاد کرتے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی زیادتی اور اپنی کثرت پر گھمنڈ کرتے تھے یہاں تک کہ ایک ایک ہو کر قبروں میں گھس گئے۔ مطلب یہ ہے کہ کثرت مال و متاع کی تمنا نے غفلت میں ہی رکھا یہاں تک کہ مر گئے اور قبروں میں دفن ہو گئے، صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعرابی کی عیادت کو تشریف لے گئے اور حسب عادت فرمایا کہ کوئی ڈر خوف نہیں انشاء اللہ تعالیٰ گناہوں سے پاکیزگی حاصل ہوگی، تو اس نے کہا آپؐ اسے خوب پاک بتلا رہے ہیں یہ تو وہ بخار ہے جو بوڑھے بڑوں پر جوش مارتا ہے اور قبر تک پہنچا کر رہتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اچھا پھر یوں ہی سہی۔ اس حدیث میں بھی لفظ تُزِيرُهُ الْقُبُوْرَ ہے اور یہاں قرآن میں بھی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ہے پس معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد مر کر قبر میں دفن ہونا ہی ہے۔ ترمذی میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب تک یہ آیت نہ اُتری ہم عذاب قبر کے بارے میں شک میں ہی رہے۔ یہ حدیث غریب ہے ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر کچھ دیر سوچ کر فرمانے لگے۔ میمون عـه! قبروں کا دیکھنا تو صرف بطور زیارت ہے اور ہر زیارت کرنے والا اپنی جگہ لوٹ جاتا ہے، یعنی خواہ جنت کی طرف خواہ دوزخ کی طرف، ایک اعرابی نے بھی ایک شخص کی زبانی ان دونوں آیتوں کی تلاوت سُنکر یہی فرمایا تھا کہ اصل مقام اور ہی ہے پھر اللہ تعالیٰ دھمکاتے ہوئے دو دو مرتبہ فرماتا ہے کہ حقیقت حال کا علم تمہیں ابھی ہو جائیگا۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ پہلے مراد کفار ہیں دوبارہ مومن مراد ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر تم علم یقینی کے ساتھ اسے معلوم کر لیتے، یعنی اگر ایسا ہوتا تو تم غفلت میں نہ پڑتے، اور مرتے دم تک اپنی آخری منزل آخرت سے غافل نہ رہتے؟ پھر جس چیز سے پہلے دھمکایا تھا اُسی کا بیان کر رہا ہے کہ تم جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے۔ کہ اُس کی ایک ہی جنبش کے ساتھ اور تو اور انبیاء علیہم السلام بھی ہیبت و خوف کے مارے گھٹنوں کے بل گر جائیں گے اُس کی عظمت اور دہشت ہر دل پر چھائی ہوئی ہوگی جیسے کہ بہت سی حدیثوں میں یہ تفصیل موجود ہے پھر فرمایا کہ اُس دن تم سے نعمتوں کے متعلق سوال ہوگا۔ صحت امن رزق وغیرہ تمام نعمتوں کی نسبت سوال ہوگا۔ کہ ان کا شکر کہاں تک ادا کیا۔ ابن ابی حاتم کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ ٹھیک دوپہر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے چلے دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عـه بھی مسجد میں آ رہے ہیں، پوچھا کہ اس وقت کیسے نکلے ہو؟ کہا حضورؐ جس چیز نے آپؐ کو نکالا ہے اسی نے مجھے بھی نکالا ہے اتنے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آگئے، ان سے بھی حضورؐ نے یہی فرمایا اور آپ نے بھی یہی جواب دیا، پھر حضورؐ نے ان دونوں بزرگوں سے باتیں کرنی شروع کیں، پھر فرمایا کہ اگر ہمت ہو تو اس باغ تک چلے چلو کھانا پینا مل ہی جائیگا اور سایہ دار جگہ بھی ہم نے کہا بہت اچھا پس آپؐ ہمیں لیکر ابو الہیثم انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغ کے دروازے پر آئے آپؐ نے سلام کیا اور اجازت چاہی، ام ہیثم انصاریہ دروازے کے پیچھے ہی کھڑی تھیں سن رہی تھیں لیکن اونچی آواز سے جواب نہیں دیا اس لالچ سے کہ خدا کے رسولؐ اور زیادہ سلامتی کی دعا کریں اور کئی کئی مرتبہ آپؐ کا سلام سنیں جب تین مرتبہ حضورؐ سلام کر چکے اور کوئی جواب نہ ملا تو آپؐ واپس روانہ ہوئے، اب تو حضرت ابوالہیثمؓ کی والدہ صاحبہ دوڑیں اور کہا حضورؐ میں آپؐ کی آواز سن رہی تھی لیکن میرا ارادہ تھا کہ خدا کرے آپؐ کئی کئی مرتبہ سلام کریں اس لئے میں نے اپنی آواز آپؐ کو نہ سنائی آپؐ آیئے تشریف لے چلئے

عـه حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے غلام کا نام۔

عـه غالباً تینوں حضرات فاقہ کی شدت سے باہر تشریف لائے تھے۔

آپؐ نے ان کے اس فعل کو اچھی نظروں سے دیکھا[1]۔ پھر فرمایا کہ خود ابو الہیثمؓ کہاں ہیں؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا حضورؐ وہ بھی یہیں
تو ہیں پانی لینے گئے ہیں، آپ تشریف لایئے انشاء اللہ آتے ہی ہوں گے، حضورؐ باغ میں رونق افروز ہوئے، بی بی صاحبہ نے
ایک سایہ دار درخت تلے کچھ بچھا دیا۔ جس پر آپؐ تشریف فرما ہوئے اتنے میں حضرت ابو الہیثمؓ بھی آگئے بیحد خوش ہوئے
آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سکھ نصیب ہوا۔ اور جلدی جلدی ایک کھجور کے درخت پر چڑھ گئے۔ اور اچھے اچھے خوشے اتار اتار
کر دینے لگے یہاں تک کہ خود آپؐ نے روک دیا صحابی نے کہا یا رسول اللہ! گدلی اور تر اور بالکل پکی اور جس طرح کی چاہیں تناول
فرمائیں، جب کھجوریں کھا چکے تو میٹھا پانی لائے جسے پیا پھر حضورؐ فرمانے لگے یہی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں خدا کے ہاں
سوال ہوگا۔ ابن جریر کی اسی حدیث میں ہے کہ ابو بکرؓ و عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس حضورؐ تشریف لائے اور فرمایا
یہاں کیسے بیٹھے ہو؟ دونوں نے کہا حضورؐ بھوک کی وجہ سے گھر سے نکل کھڑے ہوئے ہیں فرمایا اس خدا کی قسم جس نے
مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے میں بھی اسی وجہ سے اس وقت نکلا ہوں۔ اب آپؐ انھیں لے کر چلے اور ایک انصاری کے گھر
آئے ان کی بیوی صاحبہ مل گئیں پوچھا کہ تمہارے میاں کہاں گئے ہیں؟ کہا گھر کے لئے میٹھا پانی لانے گئے ہیں، اتنے میں وہ مشک اٹھائے
ہوئے آہی گئے، خوش خوش ہوگئے اور کہنے لگے مجھ جیسا خوش قسمت آج کوئی بھی نہیں جس کے گھر اللہ کے نبیؐ تشریف لائے ہیں
مشک تو لٹکا دی اور خود جا کر کھجوروں کے تازہ تازہ خوشے لے آئے آپؐ نے فرمایا چن کر الگ کر کے لاتے تو جواب دیا کہ
حضورؐ میں نے چاہا کہ آپؐ اپنی طبیعت کے مطابق اپنی پسند سے چن لیں اور نوش فرمالیں، پھر چھری ہاتھ میں تھامی کہ کوئی جانور ذبح
کر کے گوشت پکائیں تو آپؐ نے فرمایا دیکھو دودھ دینے والے جانور ذبح نہ کرنا، چنانچہ اس نے ذبیحہ کیا اور آپؐ نے وہیں کھانا
تناول فرمایا۔ پھر فرمانے لگے دیکھو بھوکے گھر سے نکلے اور پیٹ بھرے جا رہے ہو۔ یہی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں قیامت
کے دن سوال ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد غلام حضرت ابو عسیبؓ کا بیان ہے کہ رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے مجھے آواز دی میں نکلا پھر حضرت ابو بکرؓ کو بلایا پھر حضرت عمرؓ کو بلایا پھر کسی انصاریؓ کے باغ میں تشریف لے گئے اور فرمایا لاؤ
بھائی کھانے کو دو، وہ انگور کے خوشے اٹھا لائے اور آپؐ کے سامنے رکھ دیئے۔ آپؐ نے اور آپؐ کے ساتھیوں نے کھائے
پھر فرمایا ٹھنڈا پانی پلاؤ، وہ لائے آپؐ نے پیا۔ پھر فرمانے لگے قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی، حضرت عمرؓ نے وہ خوشہ
اٹھا کر زمین پر دے مارا اور کہنے لگے اس کے بارے میں بھی خدا کے ہاں پرسش ہوگی، آپؐ نے فرمایا ہاں صرف تین چیزوں کی تو پرسش
نہیں، پردہ پوشی کے لائق کپڑا۔ بھوک روکنے کے قابل ٹکڑا اور سردی گرمی میں سر چھپانے کے لئے مکان[2]۔ (مسند احمد) مسند کی ایک
اور حدیث میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی اور حضورؐ نے پڑھ کر سنائی تو صحابہؓ کہنے لگے کہ ہم میں سے کس نعمت پر سوال ہوگا! کھجوریں
کھا رہے ہیں اور پانی پی رہے ہیں تلواریں گردنوں میں لٹک رہی ہیں اور دشمن سر پر کھڑا ہے آپؐ نے فرمایا گھبراؤ نہیں عنقریب نعمتیں
آجائیں گی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور علیہ السلام تشریف لائے اور نہائے
ہوئے معلوم ہوتے تھے ہم نے کہا حضورؐ اس وقت تو آپؐ خوش و خرم نظر آتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں، پھر تو تونگری کا ذکر کرنے لگے۔
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے دل میں خوف خدا ہو اس کے لئے تونگری کوئی بڑی چیز نہیں، اور یاد رکھو متقی شخص کے
لئے صحت تونگری سے بھی اچھی ہے اور خوش نفسی بھی خدا کی نعمت ہے (مسند احمد) ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے ترمذی شریف میں
ہے نعمتوں کے سوال میں قیامت والے دن سب سے پہلے یہ کہا جائے گا کہ ہم نے تجھے صحت نہیں دی تھی؟ اور ٹھنڈے پانی سے تجھے آسودہ

---

[1] یعنی انھوں نے بآواز بلند جواب نہ دینے کی جو وجہ بتائی کیونکہ اس میں حسن نیت، اخلاص اور بے پناہ حُبِ رسول کا جذبہ کار فرما تھا اسلئے آپؐ نے اس کو خوب پسند فرمایا۔

[2] یعنی اگر کسی نے دنیا سے صرف اتنے ہی مختصر اور ضروری سامان پر اکتفا کیا تو کوئی سوال نہ ہوگا اور اگر اس سے زیادہ جمع کیا تو کیونکہ وہ ضرورت سے زیادہ ہے اس لئے اس کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔

نہیں کیا کرتے تھے؟ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ اس آیت ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ الخ کو سنکر صحابہؓ کہنے لگے کہ حضورؐ ہم تو جو کی روٹی اور وہ بھی آدھا پیٹ کھا رہے ہیں تو خدا کی طرف سے وحی آئی کہ کیا تم پیر بچانے کے لئے جوتیاں نہیں پہنتے اور کیا تم ٹھنڈا پانی نہیں پیتے؟ یہی قابل پرسش نعمتیں ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ امن اور صحت سے سوال ہوگا۔ پیٹ بھر کھانے سے، ٹھنڈے پانی سے، سائے دار گھروں سے، میٹھی نیند سے بھی سوال ہوگا۔ شہد پینے سے، لذتیں حاصل کرنے سے، صبح و شام کے کھانے سے گھی شہد اور میدے کی روٹی وغیرہ۔ غرض ان تمام نعمتوں کے بارے میں خدا کے ہاں سوال ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بدن کی صحت کانوں اور آنکھوں کی صحت کے بارے میں بھی سوال ہوگا کہ ان طاقتوں سے کیا کیا کام کئے، جیسے قرآن کریم میں ہے اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ہر شخص سے اس کے کان اس کی آنکھ اور اس کے دل کے بارے میں بھی پوچھ ہوگی۔ صحیح بخاری شریف وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ دو نعمتوں کے بارے میں لوگ بہت ہی غفلت برت رہے ہیں، صحت اور فراغت یعنی نہ توان کا پورا شکر ادا کرتے ہیں نہ ان کی عظمت کو جانتے ہیں نہ انھیں خدا کی مرضی کے مطابق صرف کرتے ہیں۔ بزار میں ہے تہ بند کے سوا اور سائے دار دیواروں کے سوا اور روٹی کے ٹکڑے کے سوا ہر چیز کا قیامت کے دن حساب دینا پڑیگا۔ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل قیامت کے دن فرمائیگا اے ابن آدم میں نے تجھے گھوڑوں پر اور اونٹوں پر سوار کرایا عورتیں تیرے نکاح میں دیں تجھے مہلت دی کہ تو ہنسی خوشی آرام و راحت سے زندگی گزارے۔ اب بتا کہ اس کا شکریہ کہاں ہے؟ خدا کے فضل و کرم سے سورۃ تکاثر کی تفسیر ختم ہوئی۔ والحمد للہ رب العالمین ؛

تفسیر سورۃ والعصر مکیہ

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مسلمان ہونے سے پہلے ایک مرتبہ مسیلمہ کذاب سے ملے اس نے نبوت کا جھوٹا دعوی کر رکھا تھا، عمروؓ کو دیکھکر پوچھنے لگا کہو اس مدت میں تمہارے نبیؐ پر بھی کوئی وحی نازل ہوئی ہے؟ حضرت عمروؓ نے جواب دیا ایک مختصر سی نہایت فصاحت والی سورت اتری ہے۔ پوچھا وہ کیا ہے؟ حضرت عمرو رضؓ نے سورۃ وَالْعَصْرِ پڑھ کر سنائی، مسیلمہ ذرا دیر تو سوچتا رہا، پھر کہنے لگا عمروؓ! دیکھو مجھ پر بھی اسی جیسی سورت اتری ہے۔ عمروؓ نے کہا وہ کیا؟ کہا یہ یَا وَبْرُ یَا وَبْرُ ۝ اِنَّمَا اَنْتَ اُذُنَانِ وَصَدْرٌ ۝ وَسَائِرُكَ حَفْرٌ نَقْرٌ ۝ پھر کہنے لگا عمروؓ کہو تمہارا کیا خیال ہے؟ عمروؓ نے کہا میرا خیال تو تو خود ہی جانتا ہے کہ مجھے تیرے جھوٹا ہونے کا علم ہے۔ وَبْرٌ بلی جیسا ایک جانور ہے اس کے دونوں کان ذرا بڑے ہوتے ہیں اور سینہ بھی، باقی جسم بالکل حقیر اور واہیات ہوتا ہے۔ اس کذاب نے ایسی فضول گوئی اور بکواس کے ساتھ اللہ کے کلام کے ساتھ معارضہ کرنا چاہا جسے سنکر عرب کے بت پرست لوگوں نے بھی اس کا کاذب اور مفتری ہونا سمجھ لیا، طبرانی میں ہے کہ دو صحابیوں کا یہ دستور تھا کہ جب ملتے ایک اس سورت کو پڑھتا دوسرا سنتا۔ پھر سلام کر کے رخصت ہو جاتے۔ ف حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ اس سورت کو غور و تدبر سے پڑھیں اور سمجھیں تو یہی ایک سورت کافی ہے۔

سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | هِيَ ثَلٰثُ اٰيٰتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

۲۸ ع ۱ وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

قسم ہے زمانہ کی (جس میں نفع و نقصان واقع ہوتا ہی) کہ انسان (بوجہ تضییع عمر کے) بڑے خسارہ میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے

الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ ۵ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ④

اچھے کام کئے (کہ یہ کمال ہی) اور ایک دوسرے کو (اعتقاد) حق (پر قائم رہنے) کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو (اعمال کی) پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

قسم ہے زمانہ کی عصر سے مراد زمانہ ہے جس میں انسان نیکی بدی کے کام کرتا ہے حضرت زید بن اسلمؒ نے اس سے مراد عصر کی نماز یا عصر کی نماز کا وقت بیان کیا ہے لیکن مشہور پہلا قول ہی ہے اس قسم کے بعد بیان فرماتا ہے کہ انسان نقصان میں ٹوٹے میں ہلاکت میں ہے ہاں اس نقصان سے بچنے والے وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان ہو اعمال میں نیکیاں ہوں، حق کی وصیتیں کرنے والے ہوں، یعنی نیکی کے کام کرنے کی حرام کاموں سے روکنے کی ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہوں، قسمت کے لکھے پر مصیبتوں کی برداشت پر صبر کرتے ہوں، اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرتے ہوں، ساتھ ہی بھلی باتوں کا حکم کرنے اور بری باتوں سے روکنے میں لوگوں کی طرف سے جو بلائیں اور تکلیفیں پہنچیں اُن کو برداشت کرتے ہوں، اور اسی کی تلقین اپنے ساتھیوں کو بھی کرتے ہوں، یہ ہیں جو اس صریح نقصان سے مستثنیٰ ہیں۔ سورۃ والعصر کی تفسیر بحمد اللہ ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ الہمزہ مکیہ

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | هِيَ تِسْعُ اٰيٰتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ① اِلَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ② يَحْسَبُ

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کیلئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو (اور) رو در رو طعنہ دینے والا ہو جو (غایت حرص کی) مال جمع کرتا ہو اور (غایت حب دنیا سے) اسکو بار بار گنتا ہو

اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ③ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ④ وَ

وہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہیگا ہرگز نہیں (رہیگا) آگے اس ذیل کی تفسیر ہے کہ واللہ وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جاویگا جس میں جو کچھ پڑے وہ اسکو توڑ پھوڑ

مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ⑤ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ⑥ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى

دے اور آپکو معلوم ہے کہ وہ توڑنے پھوڑنے والی آگ کیسی ہے وہ اللہ کی آگ ہے جو اللہ کے حکم سے سلگائی گئی ہے جو کہ بدن کو لگتے ہی دلوں تک

ع ۹ ۲۹ ۱ الْاَفْـِٕدَةِ ⑦ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ⑧ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ⑨

جا پہنچے گی (اور) وہ آگ ان پر بند کردی جاویگی (اس طرح سے کہ) وہ لوگ آگ کے بڑے بڑے لمبے ستونوں میں گھرے ہوں گے

یہ غیبت کے مریض

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے زبان سے لوگوں کی عیب گیری کرنے والا اپنے کاموں سے دوسروں کی حقارت کرنے والا خرابی والا شخص ہے۔ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍۭ بِنَمِيمٍ ۝ کی تفسیر بیان ہو چکی ہے حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس سے مراد طعنہ دینے والا غیبت کرنے والا ہے ربیع بن انسؓ کہتے ہیں کہ سامنے برا کہنا تو ھمز ہے اور پیٹھ پیچھے عیب بیان کرنا لمز ہے قتادہؒ کہتے ہیں کہ زبان سے اور آنکھ کے اشاروں سے بندگانِ خدا کو ستانا اور چڑانا مراد ہے کہ کبھی تو ان کا گوشت کھائے یعنی غیبت کرے اور کبھی ان پر طعنہ زنی کرے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ھمز ہاتھ اور آنکھ سے ہوتا ہے اور لمز زبان سے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد اخنس بن شریق کافر ہے، مجاہدؒ فرماتے ہیں آیت عام ہے[1] پھر فرمایا جو جمع کرتا جاتا ہے اور گن گن کر رکھتا جاتا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے جَمَعَ فَأَوْعَىٰ ۝ حضرت کعبؒ فرماتے ہیں کہ دن بھر تو مال کمانے کی ہائے وائے میں لگا رہا اور رات کو سڑی بھسی لاش کی طرح پڑا رہا۔ اس کا خیال یہ ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ دنیا میں رکھے گا حالانکہ واقعہ یوں نہیں بلکہ یہ بخیل اور حریص انسان جہنم کے اس طبقے میں گرے گا جو ہر اس چیز کو جو اس میں گرے چور چور کر دیتا ہے پھر فرماتا ہے یہ توڑ پھوڑ کرنے والی کیا چیز ہے؟ اس کا حال اے نبیؐ تمہیں معلوم نہیں۔ یہ خدا کی سلگائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھ جاتی ہے جلا کر بھسم کر دیتی ہے لیکن مرتے نہیں۔ حضرت ثابت بنانیؒ جب اس آیت کی تلاوت کر کے اس کے یہ معنی بیان کرتے تو رو دیتے اور کہتے انہیں عذاب نے بڑا ستایا۔ محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں کہ آگ جلاتی ہوئی حلق تک پہنچ جاتی ہے پھر لوٹتی پھر پہنچتی ہے یہ آگ ان پر ہر طرف سے بند کر دی گئی ہے۔ جیسے کہ سورۂ بلد کی تفسیر میں گزرا۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے اور دوسرا طریق اس کا موقوف ہے، وہ ہاجو مثل آگ کے ہے اس کے ستونوں میں یہ لمبے لمبے دروازے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں بعمد ہے۔ ان جہنمیوں کی گردنوں میں زنجیریں ہوں گی، یہ لمبے لمبے ستونوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے اور اوپر سے دروازے بند کر دیئے جائیں گے ان آگ کے ستونوں میں انہیں بڑے سخت عذاب کئے جائیں گے، ابو صالحؒ فرماتے ہیں یعنی وزنی بیڑیاں اور قیدو بند ان کے لئے ہوں گی۔ اس سورت کی تفسیر بھی خدا کے فضل و کرم سے پوری ہوئی۔ فالحمد للہ رب العالمین ؛

تفسیر سورۂ فیل مکیہ

سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝	هِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝۱ أَلَمْ يَجْعَلْ

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا کیا ان کی

كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۲ وَّأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيْلَ ۝۳

تدبیر کو (جو کہ ویرانی کعبہ کے بارے میں تھی) سرتاپا غلط نہیں کر دیا اور ان پر غول کے غول پرندے بھیجے

---

[1] یعنی کچھ اخنس بن شریق کی خصوصیت نہیں بلکہ جو بھی ان برے کاموں میں مشغول ہو آیت میں موجود وعید کا وہ بھی مستحق ہے۔

تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ﴿٤﴾ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ﴿٥﴾

جو ان لوگوں پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح (پامال) کر دیا

اصحاب فیل

خدائے رب العزت نے قریش پر جو اپنا خاص انعام فرمایا تھا اس کا ذکر کر رہا ہے کہ جس لشکر نے ہاتھیوں کو ساتھ لیکر کعبے کو ڈھانے کے لئے چڑھائی کی تھی خدائے تعالیٰ نے اس سے پہلے کہ وہ کعبے کو منہدم کریں، ان کا نام و نشان مٹا دیا ان کی تمام فریب کاریاں ان کی تمام قوتیں سلب کر لیں، برباد غارت کر دیا۔ یہ لوگ مذہباً نصرانی تھے لیکن دین مسیح کو مسخ کر دیا تھا قریب قریب بت پرست ہو گئے تھے انھیں اس طرح نامراد کرنا یہ گویا پیش خیمہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اور اطلاع تھی آپ کی آمد آمد کی۔ حضور علیہ السلام اسی سال تولد ہوئے۔ اکثر مورخین حضرات کا یہی قول ہے تو گویا خدائے عالم فرما رہا ہے کہ اے قریشیو! حبشہ کے اس لشکر پر تمہیں فتح تمہاری بھلائی کی وجہ سے نہیں دی گئی تھی بلکہ اس میں ہمارے گھر کی حفاظت تھی جسے ہم شرف بزرگی عظمت و عزت میں اپنے آخر الزمان پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے بڑھانے والے تھے، غرض اصحاب فیل کا مختصر واقعہ تو یہ ہے جو بیان ہوا۔ اور تفصیلی واقعہ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ کے بیان میں گزر چکا ہے کہ قبیلۂ حمیر کا آخری بادشاہ ذونواس جو مشرک تھا جس نے اپنے زمانے کے مسلمانوں کو کھائیوں میں قتل کیا تھا جو سچے نصرانی تھے اور تعداد میں تقریباً بیس ہزار تھے سارے کے سارے ہی شہید کر دیئے گئے تھے صرف دوس ذو ثعلبان ایک بچ گیا تھا۔ جو ملک شام جا پہنچا اور قیصر روم سے فریاد رسی چاہی یہ بادشاہ نصرانی مذہب پر تھا اس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو لکھا کہ اس کے ساتھ اپنی پوری فوج کر دو اس لئے کہ یہاں سے دشمن کا ملک قریب تھا اس بادشاہ نے ارباط اور ابویکسوم ابرھہ بن صباح کو سالار لشکر بنا کر بہت بڑا لشکر دے کر دونوں کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، یہ لشکر یمن پہنچا، یمن کو اور یمنیوں کو تاخت و تاراج کر دیا۔ ذونواس بھاگ کھڑا ہوا۔ اور دریا میں ڈوب کر مر گیا۔ اور ان لوگوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور سارے یمن پر شاہ حبشہ کا قبضہ ہو گیا اور یہ دونوں سردار یہاں رہنے سہنے لگے، لیکن کچھ تھوڑی ہی مدت کے بعد ان میں اختلاف ہو گیا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں نے ایک دوسرے کے مقابلے صفیں باندھیں اور لڑنے کیلئے نکل آئے حملہ ہوا ہی سے پیشتر ابرھہ نے اریاط سے کہا کہ دونوں فوجوں کو لڑا کر لوگوں کو قتل کرانے کی کیا ضرورت، آؤ ہم تم دونوں میدان میں نکلیں اور ایک دوسرے سے لڑ کر فیصلہ کر لیں، جو زندہ بچ جائے ملک فوج اسی کی، چنانچہ یہ بات طے ہو گئی اور دونوں میدان میں نکل آئے، اریاط نے ابرھہ پر حملہ کیا۔ اور تلوار کے ایک ہی وار سے چہرہ زخمی کر دیا ناک ہونٹ اور منہ کٹ گیا۔ ابرھہ کے غلام عتودہ نے اس موقع پر اریاط پر ایک بے پناہ حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا، ابرھہ زخمی ہو کر میدان سے زندہ واپس گیا، علاج معالجے سے زخم اچھے ہو گئے اور یمن کا یہ مستقل بادشاہ بن بیٹھا۔ نجاشی شاہ حبشہ کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ سخت غضبناک ہوا۔ اور ایک خط ابرھہ کو لکھا۔ اسے بڑی لعنت ملامت کی اور کہا کہ قسم خدا کی میں تیرے شہروں کو پامال کر دوں گا۔ اور تیری چوٹی کاٹ لاؤں گا۔ ابرھہ نے اس کا جواب نہایت عاجزی سے لکھا اور قاصد کو بہت سارے ہدیئے دیئے اور ایک تھیلی میں یمن کی مٹی بھر دی اور اپنی پیشانی کے بال کاٹ کر اس میں رکھ دیئے، اور اپنے خط میں اپنے قصور کی معافی طلب کی اور لکھا کہ یہ یمن کی مٹی حاضر ہے اور میری چوٹی کے بال بھی، آپ اپنی قسم پوری کیجئے اور ناراضگی معاف فرمایئے، اس سے شاہ حبشہ خوش ہو گیا اور یہاں کی سرداری اسی کے نام کر دی، اب ابرھہ نے نجاشی کو لکھا کہ میں یہاں یمن میں آپ کے لئے ایک ایسا گرجا تعمیر کرا رہا ہوں کہ اب تک دنیا میں ایسا نہ بنا ہو اس گرجا گھر کا بنانا شروع کیا، بڑے اہتمام اور کروفر سے بہت اونچا بہت مضبوط بے حد خوبصورت اور منقش و مزین گرجا بنایا اس قدر بلند تھا کہ چوٹی تک نظر ڈالنے والے کی ٹوپی گر پڑتی تھی اسی لئے عرب اسے قلیس کہتے تھے، یعنی ٹوپی پھینک دینے والا۔ اب ابرھہ اشرم کو یہ سوجھی کہ لوگ بجائے کعبۃ اللہ کے حج کے اس کا حج کریں، اپنی ساری

مملکت میں اس کی منادی کرادی، عدنانیہ اور قحطانیہ عرب کو یہ بہت بُرا لگا اُدھر سے قریش بھی بھڑک اُٹھے، تھوڑے دن میں کوئی شخص
رات کے وقت اُس کے اندر گھس گیا اور وہاں پاخانہ کرکے چلا آیا، چوکیداروں نے جب یہ دیکھا تو بادشاہ کو خبر پہنچائی اور کہا کہ یہ کام قریشیوں
کا ہے، چونکہ آپ نے اُن کا کعبہ روک دیا ہے لہٰذا اُنھوں نے جوش اور غضب میں آکر یہ حرکت کی ہے ابرہہ نے اُسی وقت قسم
کھائی کہ میں مکہ پہنچوں گا اور بیت اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا۔ ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ چند نوجوان قریشیوں نے
اس گرجا میں آگ لگادی تھی۔ اور اُس وقت ہوا بھی بہت تیز تھی۔ سارا گرجا جل گیا اور مُنہ کے بل زمین پر گر گیا، اس پر ابرہہ نے بہت
بڑا لشکر ساتھ لیکر مکہ پر چڑھائی کی تاکہ کوئی روک نہ سکے، اور اپنے ساتھ ایک بڑا اونچا اور موٹا ہاتھی لیا جسے محمود کہا جاتا تھا۔
کہ اس جیسا ہاتھی اور کوئی نہ تھا، شاہِ حبشہ نے یہ ہاتھی اس کے پاس اسی غرض سے بھیجا تھا، آٹھ یا بارہ ہاتھی اور بھی ساتھ تھی
یہ کعبے کے ڈھانے کی نیت سے چلا یہ سوچ کر کہ کعبہ کی دیواروں میں مضبوط زنجیریں ڈال دوں گا، اور ہاتھیوں کی گردنوں میں اُن
زنجیروں کو باندھ دوں گا ہاتھی ایک ہی جھٹکے میں چاروں دیواریں بیت اللہ کی جڑ سے گرادیں گے، جب اہلِ عرب کو یہ خبریں معلوم
ہوئیں تو اُن پر بڑا اثر پڑا، اور انھوں نے ارادہ کرلیا کہ خواہ کچھ ہو ہم اس کا مقابلہ کریں گے، اور اسے اس کے بُرے ارادہ سے روکیں گے
ایک یمنی شریف سردار جو وہاں کے بادشاہوں کی اولاد میں سے تھا جسے ذونفر کہا جاتا تھا یہ کھڑا ہوگیا، اپنی قوم کو اور کل آس پاس کے
عرب کو جمع کیا اور اس بد نیت بادشاہ سے مقابلہ کیا، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا عربوں کو شکست ہوئی اور ذونفر اُس
خبیث کے ہاتھ قید ہوگیا اس نے اسے بھی ساتھ لیا اور مکہ شریف کی طرف بڑھا خثعم قبیلے کی زمین پر جب یہ پہنچا تو یہاں نفیل بن حبیب
خثعمی نے اپنے لشکروں سے اس کا مقابلہ کیا لیکن ابرہہ نے انھیں بھی مغلوب کرلیا اور نُفیل بھی قید ہوگیا، پہلے تو اس ظالم نے اسے قتل کرنا
چاہا لیکن پھر قتل نہ کیا اور قید کرکے ساتھ لے لیا تاکہ راستہ بتائے، جب طائف کے قریب پہنچا تو قبیلہ ثقیف نے اس سے صلح کرلی کہ ایسا
نہ ہو ان کے بُت خانے کو جس میں لات نامی بُت تھا یہ توڑ دے اس نے بھی ان کی بڑی آؤ بھگت کی، انھوں نے ابو رغال کو اس کے
ساتھ کردیا کہ یہ تمھیں وہاں کا راستہ بتائیگا۔ ابرہہ جب مکے کے بالکل قریب مغمس کے مقام پر پہنچا تو اس نے یہاں پڑاؤ کیا اس کے لشکر
نے آس پاس مکہ والوں کے جو جانور اونٹ وغیرہ چگ رہے تھے سب کو اپنے قبضہ میں کیا ان جانوروں میں دو سو اونٹ تو صرف
عبدالمطلب کے تھے۔ اسود بن مقصود جو اس کے لشکر کے ہراول کا سردار تھا اس نے ابرہہ کے حکم سے ان جانوروں کو لوٹا تھا جس پر
عرب شاعروں نے اس کی ہجو میں اشعار کہے ہیں جو سیرۃ ابن اسحاق میں موجود ہیں۔ اب ابرہہ نے اپنا قاصد حناطہ حمیری کو مکہ والوں کے پاس
بھیجا کہ مکہ کے سب سے بڑے سردار کو میرے پاس لاؤ اور یہ بھی اعلان کردو کہ میں مکہ والوں سے لڑنے کو نہیں آیا میرا ارادہ صرف بیت اللہ
کو گرانے کا ہے، ہاں اگر مکہ والے اس کے بچانے کے درپے ہوئے تو لامحالہ مجھے ان سے لڑائی کرنی پڑیگی، حناطہ جب مکہ میں آیا اور
لوگوں سے ملا جلا تو معلوم ہوا کہ یہاں کا بڑا سردار عبدالمطلب بن ہاشم ہے، یہ عبدالمطلب سے ملا اور شاہی پیغام پہنچایا جس کے جواب میں
عبدالمطلب نے کہا واللہ نہ ہمارا ارادہ اس سے لڑنے کا ہے، نہ ہم میں اتنی طاقت ہے یہ خدا کا حرمت والا گھر ہے۔ اُس کے خلیل حضرت
ابراہیمؑ کی زندہ یادگار ہے خدا اگر چاہے گا تو اپنے گھر کی آپ حفاظت کریگا ورنہ ہم میں تو ہمت و قوت نہیں، حناطہ نے کہا اچھا تو
آپ میرے ساتھ بادشاہ تک چلے چلیے، عبدالمطلب ساتھ ہوئے، بادشاہ نے جب انھیں دیکھا تو ہیبت میں آگیا، عبدالمطلب
گورے چٹے سڈول اور مضبوط قوی والے حسین و جمیل انسان تھے، دیکھتے ہی ابرہہ تخت سے نیچے اُتر آیا اور فرش پر عبدالمطلب کے
ساتھ بیٹھ گیا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ ان سے پوچھ کہ کیا چاہتے ہے؟ عبدالمطلب نے کہا میرے دو سو اونٹ جو بادشاہ نے
لے لئے ہیں، اُنھیں واپس کردیا جائے، بادشاہ نے کہا ان سے کہہ دے کہ پہلی نظر میں تو تیرا رعب مجھ پر پڑا تھا اور میرے دل میں
تیری وقعت بیٹھ گئی تھی لیکن پہلے ہی کلام میں تو نے سب کچھ کھودی، اپنے دو سو اونٹ کی تو تجھے فکر ہے اور اپنے اور اپنی قوم کے
دین کی تجھے فکر نہیں میں تو تم لوگوں کا عبادت خانہ توڑنے اور اُسے خاک میں ملانے کے لئے آیا ہوں، عبدالمطلب نے جواب دیا کہ

سُن بادشاہ اونٹ تو میرے ہیں اسلئے انھیں بچانے کی کوشش میں میں ہوں اور خانہ کعبہ خدا کا ہے وہ خود اسے بچالے گا، اس پر یہ سرکش کہنے لگا کہ خدا بھی آج اُسے میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکتا، عبدالمطلب نے کہا بہتر ہے وہ جانے اور تو جان، یہ بھی منقول ہے کہ اہل مکہ نے تمام حجاز کا تہائی مال ابرہہ کو دینا چاہا کہ وہ اپنے اس غلط ارادے سے باز آئے لیکن اس نے قبول نہ کیا، خیر عبدالمطلب تو اپنے اونٹ لے کر چلدیئے اور آ کر قریش کو حکم دیا کہ مکہ بالکل خالی کردو پہاڑوں میں چلے جاؤ، اب عبدالمطلب اپنے ساتھ قریش کے چیدہ چیدہ لوگوں کو لے کر بیت اللہ میں آیا اور بیت اللہ کے دروازے کا کنڈا تھام کر، رو رو کر اور گڑگڑا کر دعائیں مانگنی شروع کیں کہ باری تعالیٰ ابرہہ اور اس کے خونخوار لشکر سے اپنے پاک اور عزت والے گھر کو بچالے، عبدالمطلب نے اُس وقت یہ دعائیہ اشعار پڑھے سہ لَاهُمَّ إِنَّ الْمَرْءَ يَمْـ ـنَعُ رَحْلَهُ فَامْنَعْ رِحَالَكَ ۔ لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيبُهُمْ ۔ وَمِحَالُهُمْ أَبَدًا مِحَالَكَ

یعنی ہم بے فکر ہیں ہم جانتے ہیں کہ ہر گھر والا اپنے گھر کا بچاؤ آپ کرتا ہے خدایا تو بھی اپنے گھر کو اپنے دشمنوں سے بچا، یہ تو ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ان کی صلیب اور ان کی ڈولیں تیری ڈولوں پر غالب آجائیں، اب عبدالمطلب نے بیت اللہ کے دروازے کا کنڈا ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ اور اپنے تمام ساتھیوں کو لیکر آس پاس کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گیا، یہ بھی مذکور ہے کہ جاتے ہوئے قربانی کے سو اونٹ بیت اللہ کے اردگرد نشان لگا کر چھوڑ دیئے تھے، اس نیت سے کہ اگر یہ بد دین آئے اور انھوں نے خدا کے نام کی قربانی کے ان جانوروں کو چھیڑا تو عذاب خدا ان پر اُترے گا دوسری صبح ابرہہ کے لشکر میں مکہ میں جانے کی تیاریاں ہونے لگیں، اپنا خاص ہاتھی جس کا نام محمود[عہ] تھا اُسے تیار کیا لشکر بیں کمربندی ہو چکی اور مکہ شریف کی طرف منہ اُٹھا کر چلنے کی تیاری کی اُس وقت نفیل بن حبیب جو اس سے راستہ میں لڑا تھا اور اب بطور قیدی کے اس کے ساتھ تھا وہ آگے بڑھا اور شاہی ہاتھی کا کان پکڑ لیا اور کہا محمود بیٹھ جا اور جہاں سے آیا ہے وہیں خیریت کے ساتھ چلا جا تو خدا تعالیٰ کے محترم شہر میں ہے یہ کہکر کان چھوڑ دیا اور بھاگ کر قریب کی پہاڑی میں جا چھپا، محمود ہاتھی یہ سُنتے ہی بیٹھ گیا۔ اب ہزار جتنے فیلبان کر رہے ہیں لشکری بھی کوششیں کرتے کرتے تھک گئے لیکن ہاتھی اپنی جگہ سے ہلا ہی نہیں، سر پر آنکس مار رہے ہیں اِدھر اُدھر سے بھالے اور برچھے مار رہے ہیں آنکھوں میں آنکس ڈال رہے ہیں، غرض تمام جتن کرتے لیکن ہاتھی جنبش بھی نہیں کرتا، پھر بطور امتحان کے اُس کا منھ یمن کی طرف چلانا چاہا تو جھٹ سے کھڑا ہو کر دوڑتا ہوا چل دیا شام کی طرف چلانا چاہا تو بھی پوری طاقت سے آگے بڑھ گیا۔ مشرق کی طرف لے جانا چاہا تو بھی بھاگا بھاگا گیا۔ پھر مکہ شریف کی طرف منھ کر کے آگے بڑھانا چاہا تو وہیں بیٹھ گیا۔ انھوں نے پھر اُسے مارنا پیٹنا شروع کیا تو دیکھا کہ ایک گھٹا ٹوپ پرندوں کا جھرمٹ بادل کی طرح سمندر کے کنارے کی طرف سے اُمڈا چلا آرہا ہے ابھی پوری طرح دیکھنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ جانور سر پر آگئے ہر طرف سے سارے لشکر کو گھیر لیا ان میں سے ہر ایک کی چونچ میں ایک مسور یا ماش کے دانے برابر کنکری تھی، اور دونوں پنجوں میں دو کنکریاں تھیں یہ ان پر پھینکنے لگے جس جس پر کنکری آپڑی وہ وہیں ہلاک ہو گیا۔ اب تو اس لشکر میں بھاگڑ پڑگئی، ہر ایک نفیل نفیل کرنے لگا کیونکہ اسے ان لوگوں نے اپنا رہبر اور راستہ بتانے والا سمجھ رکھا تھا۔ نفیل تو ہاتھی کو کہکر پہاڑ پر چڑھ گیا تھا اور دیگر اہل مکہ ان لوگوں کی یہ درگت اپنی آنکھوں دیکھ رہے تھے اور نفیل وہیں کھڑا یہ شعر پڑھ رہا تھا سہ أَيْنَ الْمَفَرُّ وَالْإِلٰهُ الطَّالِبُ ۔ وَالْأَشْرَمُ الْمَغْلُوبُ لَيْسَ الْغَالِبُ ۔ اب جائے پناہ کہاں ہے؟ جب کہ خدا خود تاک میں لگ گیا ہے۔ سُنو! اشرم بدبخت مغلوب ہو گیا اب یہ پنپنے کا نہیں، اور بھی نفیل نے اس واقعہ کے متعلق بہت سے اشعار کہے ہیں جن میں اس نقشہ کو بیان کیا ہے۔ اور کہا ہے کاش کہ تو اُس وقت موجود ہوتا جب کہ ان ہاتھی والوں کی شامت آئی ہے اور وادی محصب میں ان پر عذاب کے سنگریزے برسے ہیں تو اس وقت تو اُس غیبی لشکر یعنی پرندوں کو دیکھکر قطعاً سجدے میں گر پڑتا، ہم تو وہاں کھڑے حمد خدا کی راگنیاں الاپ رہے تھے گو کلیجے ہمارے بھی اوپر ہو گئے تھے کہ کہیں کوئی کنکری ہمارا کام بھی تمام نہ کردے۔ نصرانی منھ موڑے بھاگ رہے تھے اور نفیل نفیل

عہ یہ محمود نام کی بھی خوب رہی۔

پکار رہے تھے گویا کہ نفیل پر ان کے باپ دادوں کا کوئی قرض تھا - واقدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ پرندے زرد رنگ کے تھے، کبوتر سے کچھ چھوٹے تھے ان کے پاؤں سرخ تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب محمود ہاتھی بیٹھ گیا اور پوری کوشش کے باوجود بھی نہ اٹھا تو انھوں نے دوسرے ہاتھی کو آگے کیا، اُس نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ اُس کی سستک پر کنکری پڑی اور وہ بلبلا کر پیچھے ہٹا اور پھر اور ہاتھی بھی بھاگ کھڑے ہوئے اور اُدھر برابر کنکریاں آنے لگیں، اکثر تو وہیں ڈھیر ہو گئے، اور بعض جو اِدھر اُدھر بھاگ نکلے تھے ان میں سے بھی کوئی جانبر نہ ہوا بھاگتے بھاگتے اُن کے اعضا، کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے - اور بالآخر جان سے جاتے تھے، ابرہہ بادشاہ بھی بھاگا لیکن ایک ایک عضو بدن جھڑنا شروع ہوا یہاں تک کہ خثعم کے شہروں میں سے صنعا میں جب وہ پہنچا تو بالکل گوشت کا لوتھڑا بنا ہوا تھا وہیں بلک بلک کر دم توڑا اور کتے کی موت مرا، دل تک پھٹ گیا تھا۔ قریشیوں کو بڑا مال ہاتھ لگا۔ عبدالمطلب نے تو سونے سے ایک کنواں پر کر لیا تھا، زمین عرب میں آبلہ اور چیچک اسی سال پیدا ہوتے دیکھے گئے اور اسی طرح سپند اور حنظل وغیرہ کے کڑوے درخت بھی اسی سال زمین عرب میں دیکھے گئے۔ پس اللہ تعالیٰ بزبان رسولِ معصوم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی یہ نعمت یاد دلاتا ہے - اور گویا فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم میرے گھر کی اُسی طرح عزت و حرمت کرتے رہتے اور میرے رسولؐ کا کہا مانتے تو میں بھی اسی طرح تمہاری حفاظت کرتا اور دشمنوں سے نجات دیتا ابابیل جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد لغتِ عرب میں پایا نہیں گیا۔ سجیل کے معنی ہیں بہت سخت اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دو فارسی لفظوں سے مرکب ہے یعنی سنگ اور گل سے یعنی پتھر اور مٹی، غرض سجیل وہ ہے جس میں پتھر مع مٹی کے ہو۔ عَصف جمع ہے عَصفہٌ کی کھیتی کے اُن پتوں کو کہتے ہیں جو پک نہ گئے ہوں۔ ابابیل کے معنی ہیں گروہ گروہ جھنڈ جھنڈ، بہت سارے پے در پے جمع شدہ، اِدھر اُدھر سے آنے والے، بعض نحوی کہتے ہیں کہ اس کا واحد ابیل ہے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان پرندوں کی چونچ تھی، پرندوں جیسی اور پنجے تھے کتوں جیسے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ یہ سبز رنگ کے پرندے تھے جو سمندر سے نکلے تھے، ان کے سر درندوں جیسے تھے اور اور اقوال بھی ہیں- یہ پرندے باقاعدہ ان لشکریوں کے سروں پر پَرَیں باندھ کر کھڑے ہو گئے اور پھر چیخنے لگے پھر پتھراؤ کیا جس کے سر میں لگا اُس کے نیچے سے نکل گیا اور دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا جس کے جس عضو پر گرا وہ عضو ساقط ہو گیا ساتھ ہی تیز آندھی آئی جس سے اور آس پاس کے کنکر بھی ان کی آنکھوں میں گھس گئے اور سب تہ و بالا ہو گئے عَصف کہتے ہیں چارے کو اور کٹی کو اور گیہوں کے درخت کے پتوں کو اور ماکول سے مراد ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا ہے حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عَصف کہتے ہیں بھوسی کو جو اناج کے دانوں کے اوپر ہوتی ہے ابن زیدؒ فرماتے ہیں کہ مراد کھیتوں کے وہ پتے ہیں جنھیں جانور چر چکے ہوں، مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کا تہس نہس کر دیا اور عام خاص کو ہلاک کر دیا، ان کی ساری تدبیریں بیکار گئیں، کوئی بھلائی اُنھیں نصیب نہ ہوئی- ایسا بھی کوئی ان میں صحیح و سالم نہ رہا کہ ان کی خبر پہنچائے۔ جو بھی بچا وہ زخمی ہو کر اور اُس زخم سے بچ جانبر نہ ہو سکا، خود بادشاہ بھی گو وہ ایک گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہو گیا تھا جوں توں صنعا میں پہنچا لیکن وہاں جاتے ہی اُس کا کلیجہ پھٹ گیا- اور واقعہ بیان کر ہی چکا تھا جو مر گیا، اس کے بعد اُس کا لڑکا یکسوم یمن کا بادشاہ بنا پھر اُس کے دوسرے بھائی مسروق بن ابرہہ کو سلطنت ملی، اب سیف بن ذی یزن حمیری کسریٰ کے دربار میں پہنچا- اور اُس سے مدد طلب کی تاکہ وہ اہل حبشہ سے لڑے اور یمن ان سے خالی کرائے، کسریٰ نے اس کے ساتھ ایک لشکر جرار کر دیا اس لشکر نے اہلِ حبشہ کو شکست دی اور ابرہہ کے خاندان کے ہاتھ سے سلطنت نکل گئی اور پھر قبیلۂ حمیر یہاں کا بادشاہ بن گیا- عربوں نے اس پر بڑی خوشی منائی- اور ہر طرف سے مبارک بادیاں موصول ہوئیں- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ ابرہہ کے لشکر کے فیلبان اور چرکٹے کو میں نے مکہ شریف میں دیکھا دونوں اندھے ہو گئے تھے چل پھر نہیں سکتے تھے اور بھیک مانگا کرتے تھے- حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اساف اور نائلہ بتوں کے پاس یہ بیٹھے رہتے تھے جہاں مشرکین اپنی قربانیاں کرتے تھے اور لوگوں سے بھیک مانگتے پھرتے تھے اس فیلبان کا نام انیس تھا- بعض تاریخوں میں یہ بھی ہے کہ ابرہہ خود اس چڑھائی میں نہ تھا بلکہ اس نے اپنے لشکر کو بہ ماتحتی شمس

بن معقود کے بھیجا تھا یہ لشکر بیس ہزار کا تھا ادھر یہ پرندے ان کے اوپر رات کے وقت آئے تھے اور صبح تک ان سب کا ناس ہو چکا تھا، لیکن یہ روایت بہت غریب ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ ابرہہ بن الاشرم حبشی ہی اپنے ساتھ لشکر لے کر آیا تھا ممکن ہے کہ اس کے ہراول کے دستہ پر یہ شخص سردار ہو اس واقعہ کو بہت سے عرب شاعروں نے اپنے اپنے شعروں میں بھی بسط کے ساتھ بیان کیا ہے سورۂ فتح کی تفسیر میں ہم اس واقعہ کو مفصل بیان کر آئے ہیں جس میں ہے کہ جب حدیبیہ والے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ٹیلے پر چڑھے جہاں سے آپ قریش پر جانے والے تھے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے اسے ہر چند اٹھانا چاہا لیکن وہ جم گئی، لوگ کہنے لگے قصوا تھک گئی۔ آپ نے فرمایا نہ یہ تھکی نہ اس میں اڑنے کی عادت اسے خدا نے روک لیا ہے جس نے ہاتھیوں کو روک لیا تھا۔ پھر فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ مکے والے جن شرائط پر مجھ سے صلح چاہیں گے میں سب مان لوں گا بشرطیکہ خدا کی حرمتوں کی ہتک اس میں نہ ہو، پھر آپ نے اسے ڈانٹا تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوگئی۔ یہ حدیث صحیح بخاری شریف میں ہے۔ بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ سے ہاتھیوں کو روک لیا اور اپنے نبی کو وہاں کا قبضہ دیا اور اپنے ایمان دار بندوں کو۔ سنو آج اس کی حرمت ویسی ہی لوٹ کر آگئی ہے جیسے کل تھی۔ خبردار ہر حاضر کو چاہیئے کہ غیر حاضر کو پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ فیل کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ قریش مکیہ

اس کی فضیلت میں ایک غریب حدیث بیہقی کی کتاب خلافیات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے قریشیوں کو سات فضیلتیں دی ہیں ایک تو یہ کہ میں ان میں سے ہوں دوسرے یہ کہ نبوت ان میں ہے تیسرے یہ کہ بیت اللہ کے پاسبان یہ ہیں، چوتھے یہ کہ چاہِ زمزم کے ساقی یہ ہیں، پانچویں یہ کہ خدا نے انہیں ہاتھی والوں پر غالب کیا چھٹے یہ کہ دس سال تک انہوں نے خدا کی عبادت کی جبکہ اور کوئی عبادت خدا نہ کرتا تھا۔ ساتویں یہ کہ ان کے بارے میں قرآن کریم کی یہ سورت نازل ہوئی۔ پھر آپ نے بسم اللہ الخ پڑھ کر یہ سورت تلاوت فرمائی ۔

سُورَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	وَهِيَ أَرْبَعُ آيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ﴿١﴾ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ﴿٢﴾ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ

چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہو گئے ہیں تو (اس نعمت کے شکریہ میں) ان کو چاہیے کہ اس خانہ کعبہ کے

هَٰذَا الْبَيْتِ ﴿٣﴾ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ ۵ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ﴿٤﴾

مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے ان کو امن دیا

وافر رزق اور امن عامہ کی دولت

موجودہ عثمانی قرآن کی ترتیب میں یہ سورت سورۂ فیل سے علیحدہ ہے اور دونوں کے درمیان بسم اللہ کی آیت کا فاصلہ موجود ہے، معنون کے اعتبار سے یہ سورت پہلی سورت کے متعلق ہی ہے جیسے کہ محمد بن اسحٰق، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ نے تصریح کی ہے، اس بنا پر معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے مکہ پر حملہ آور ہاتھیوں کو روکا۔ اور ہاتھی

عہ جیسا کہ معلوم ہے کہ عرب والے بڑے تاجر اور کاروباری زندگی میں بڑے سیادت پیشہ تھے سردی کے موسم میں ان کے قافلے جنوب میں یمن کی طرف جاتے تھے۔

والوں کو ہلاک کیا۔ یہ قریشیوں کو اُلفت دلانے اور انھیں اجتماع کے ساتھ با امن اس شہر میں رہنے سہنے کے لئے تھا اور یہ مراد بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ قریشی جاڑوں میں کیا اور گرمیوں میں کیا دور دراز کے سفر امن و امان سے طے کر سکتے تھے کیونکہ مکے جیسے محترم شہر میں رہنے کی وجہ سے ہر جگہ ان کی عزت ہوتی تھی، بلکہ ان کے ساتھ بھی جو ہوتا تھا امن و امان سے سفر طے کر لیتا تھا، اسی طرح وطن میں ہر طرح کا امن انھیں حاصل تھا جیسے کہ ایک دوسرے موقعہ پر قرآن کریم میں موجود ہے کہ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والی جگہ بنا دیا ہے اس کے آس پاس تو لوگ اغوا کر لئے جاتے ہیں لیکن یہاں کے رہنے والے محفوظ ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ لِاِیْلٰفِ میں پہلا لام تعجب کا لام ہے اور دونوں سورتیں بالکل جدا گانہ ہیں، جیسا کہ مسلمانوں کا اجماع ہے۔ تو گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ تم قریشیوں کے اس اجتماع اور الفت پر تعجب کرو کہ میں نے انھیں کیسی بھاری نعمت عطا فرما رکھی ہے اُنھیں چاہیئے کہ میری اس نعمت کا شکر اس طرح ادا کریں کہ صرف میری ہی عبادت کرتے رہیں، جیسے اور جگہ ہے قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا الخ یعنی اے نبیؐ تم کہہ دو کہ مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی ہی عبادت کروں جس نے اسے حرم بنایا جو ہر چیز کا مالک ہے، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کا مطیع اور فرمانبردار رہوں۔ پھر فرماتا ہے وہ ربِّ بیت جس نے انھیں بھوک میں کھلایا اور حالتِ خوف میں محفوظ رکھا۔ انھیں چاہیئے کہ اس کی عبادت میں کسی چھوٹے بڑے کو شریک نہ ٹھہرائیں، جو خدا کے اس حکم کی بجاآوری کریگا وہ دنیا کے اس امن کے ساتھ آخرت کے دن بھی امن و امان سے رہیگا۔ اور اس کی نافرمانی کرنے سے یہ امن بھی بے امنی سے اور آخرت کا امن بھی ڈر خوف سے اور انتہائی مایوسی سے بدل جائیگا۔ جیسے اور ایک موقعہ پر فرمایا۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً الخ اللہ تعالیٰ اُن بستی والوں کی مثال بیان فرماتا ہے جو امن و اطمینان کے ساتھ تھے، ہر جگہ سے بافراغت روزیاں کھچی چلی آتی تھیں، لیکن انھیں خدا کی نعمتوں کی ناشکری کرنے کی سوجھی، چنانچہ خدائے تعالیٰ نے اُنھیں بھوک اور خوف کا مزہ چکھا دیا۔ یہی اُن کے بُرے کرتوت کا بدلہ تھا اُن کے پاس اُن ہی میں سے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر آئے لیکن اُنھوں نے ان کو جھٹلایا، اس ظلم پر خدا کے عذاب نے انھیں گرفتار کر لیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریشیو! تمہیں تو خدا یوں راحت و آرام پہنچائے گھر بیٹھے کھلائے پلائے ہر طرف بدامنی کی آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں اور تمہیں امن و امان سے میٹھی نیند سُلائے۔ پھر تم پر کیا مصیبت ہے جو تم اپنے اُس پروردگار کی توحید سے جی چُراؤ اور اس کی عبادت میں دل نہ لگاؤ بلکہ اُس کے سوا دوسروں کے آگے سر جھکاؤ۔ الحمد للہ سورۂ لِاِیْلٰفِ کی تفسیر ختم ہوئی ؛

تفسیر سورۂ ماعون مکیہ

وَهِيَ سَبْعُ اٰيٰتٍ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ① فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ② وَلَا

کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے سو اگر آپ اس شخص کا حال سُننا چاہیں تو سنئے کہ) وہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور

يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ③ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ④ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ

محتاج کو کھانا دینے کی (دوسروں کو بھی) ترغیب نہیں دیتا سو (اس سے ثابت ہوا کہ) ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی

صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۞۵ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۞۶ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۞۷

نماز کو بھلا بیٹھے ہیں (یعنی ترک کر دیتے ہیں)، جو ایسے ہیں کہ جب نماز پڑھتے ہیں تو) ریاکاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ بالکل نہیں دیتے۔

ذرا ان کو بھی دیکھیے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم نے اس شخص کو دیکھا؟ جو قیامت کے دن کو جزا و سزا کا دن ہی جھٹلاتا ہے یتیم پر ظلم و ستم کرتا ہے اس کا حق مارتا ہے اس کے ساتھ سلوک و احسان نہیں کرتا، مسکینوں کو خود تو کیا دیتا دوسروں کو بھی کار خیر پر آمادہ نہیں کرتا، جیسے اور جگہ ہے كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ یعنی جو برائی تمہیں پہنچی ہے وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے نہ تم یتیموں کی عزت کرتے ہو نہ مسکینوں کو کھانا دینے کی رغبت دلاتے ہو، یعنی اس فقیر کو جو اتنا نہیں پاتا کہ اسے کافی ہو۔ پھر ارشاد ہوتا ہے نماز کے ساتھ غفلت کرنے والوں کے لئے ویل ہے یعنی ان منافقوں کے لئے جو لوگوں کے سامنے تو نماز ادا کریں ورنہ کچھ بھی نہیں۔ یہی معنی حضرت ابن عباسؓ نے کئے ہیں اور یہ بھی معنی ہیں کہ مقرر کردہ وقت ٹال دیتے ہیں جیسے کہ مسروق اور ابوالضحیٰ کہتے ہیں۔ حضرت عطاء بن دینارؒ فرماتے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ فرمانِ باری میں عَنْ صَلَاتِهِمْ ہے فِي صَلَاتِهِمْ نہیں، یعنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں فرمایا، نمازوں میں غفلت برتتے ہیں نہیں فرمایا۔ اسی طرح یہ لفظ شامل ہے ایسے نمازی کو بھی جو ہمیشہ نماز کو آخری وقت ادا کرے یا عموماً آخری وقت پڑھے یا ارکان و شروط کی پوری رعایت نہ کرے یا خشوع و خضوع اور تدبر و غور و فکر نہ کرے، لفظ قرآن ان میں سے ہر ایک کو شامل ہے، یہ سب باتیں جس میں ہوں وہ تو پورا پورا بدنصیب ہے، اور جس میں جتنی ہوں اتنا ہی وہ ویل والا ہے، اور نفاق عملی کا حصہ دار ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ نماز منافق کی ہے یہ نماز منافق کی ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہے جب وہ غروب ہونے کے قریب پہنچے اور شیطان اپنے سینگ اس میں ملا لے تو کھڑا ہو اور مرغ کی طرح چار ٹھونگیں مار لے جس میں خدا کا ذکر بہت ہی کم کرے۔ یہاں مراد عصر کی نماز ہے جو صلوٰۃ وسطیٰ ہے جیسے کہ حدیث کے لفظوں سے ثابت ہے، یہ شخص مکروہ وقت میں کھڑا ہوتا ہے اور کوے کی طرح چونچیں مار لیتا ہے جس میں اطمینانِ ارکان بھی نہیں ہوتا۔ نہ خشوع و خضوع ہوتا ہے بلکہ ذکر اللہ بھی بہت ہی کم ہوتا ہے اور کیا عجب کہ یہ نماز محض دکھاوے کی نماز ہو تو پڑھی نہ پڑھی یکساں ہے انہی منافقین کے بارے میں اور جگہ ارشاد ہے إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ یعنی منافق خدا کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ انہیں، یہ جب بھی نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو تھکے ہارے بادلِ ناخواستہ صرف لوگوں کے دکھاوے کیلئے نماز گزارتے ہیں خدا کی یاد بہت ہی کم کرتے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا یہ ریاکاری کرتے ہیں۔ لوگوں میں نمازی بنتے ہیں طبرانی کی ایک حدیث میں ہے ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس کی آگ اس قدر تیز ہے کہ اور آگ جہنم کی اس سے ہر دن چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے یہ ویل اس امت کے ریاکار علماء کے لئے ہے اور ریاکاری کے طور پر صدقہ خیرات کرنے والوں کے لئے ہے اور ریاکاری کے طور پر حج کرنے والوں کے لئے ہے اور ریاکاری کے طور پر جہاد کرنے والوں کے لئے ہے مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص دوسروں کو سنانے کے لئے کوئی نیک کام کرے اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کو سنا کر عذاب کرے گا۔ اور اسے ذلیل و حقیر کرے گا۔ ہاں اس موقعہ پر یہ یاد رہے کہ اگر کسی شخص نے بالکل نیک نیتی سے کوئی اچھا کام کیا اور لوگوں کو اس کی خبر ہو گئی اس پر اسے بھی خوشی ہوئی تو یہ ریاکاری نہیں، اس کی دلیل مسند ابو یعلیٰ موصلی کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکارِ نبوتؐ میں یہ ذکر کیا کہ حضورؐ میں تو تنہا نوافل پڑھتا ہوں لیکن اچانک کوئی آ جاتا ہے تو ذرا مجھے بھی یہ اچھا معلوم ہونے

ف اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ "صلوٰۃ وسطیٰ" سے مراد، نماز میں عصر ہی ہے کیونکہ آپؐ نے یہاں خاص طور پر عصر ہی کے اوقات میں غفلت اور تساہل کا ذکر فرمایا۔ حالانکہ دیر سے نماز پڑھنا دوسری نمازوں میں بھی ہو سکتا ہے ﴿ یعنی نماز تمام آداب، ارکان اور شرائط کے ساتھ ادا نہ کرے بلکہ جلدی جلدی گھاس کاٹ لے۔

لگتا ہے آپؐ نے فرمایا تجھے دو دو اجر ملیں گے ایک اجر پوشیدگی کا اور دوسرا ظاہر کرنے کا۔ حضرت ابن المبارکؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ حدیث ریاکاروں کے لئے بھی اچھی چیز ہے، یہ حدیث بہ اعتبار اسناد غریب ہے لیکن ابو یعلیٰ کی حدیث اور سند سے بھی مروی ہے، ابن جریرؒ کی ایک بہت ہی ضعیف سند والی حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ اکبر یہ تمہارے لئے بہتر ہے اس سے کہ تم میں کے ہر شخص کو مثل تمام دنیا کے دیا جاتا۔ اس سے مراد وہ شخص ہے کہ نماز پڑھے تو اس کی بھلائی سے اسے کچھ سروکار نہ ہو اور نہ پڑھے تو خدا کا خوف اسے نہ ہو۔ اور روایت میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرتے ہیں۔ اس کے ایک معنے تو یہ ہیں کہ سرے سے پڑھتے ہی نہیں اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ شرعی وقت نکال دیتے ہیں پھر پڑھتے ہیں۔ یہ معنے بھی ہیں کہ اول وقت میں ادا نہیں کرتے، ایک موقوف روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ تنگ وقت کر ڈالتے ہیں۔ زیادہ صحیح موقوف روایت ہی ہے امام بیہقیؒ بھی فرماتے ہیں کہ مرفوع تو ضعیف ہے ہاں موقوف صحیح ہے امام حاکم کا قول بھی یہی ہے، پس جس طرح یہ لوگ عبادت رب میں سست ہیں۔ اسی طرح لوگوں کے حقوق بھی ادا نہیں کرتے یہاں تک کہ برتنے کی کم قیمت چیزیں لوگوں کو اس لئے بھی نہیں دیتے کہ وہ اپنا کام نکال لیں اور پھر وہ چیز جوں کی توں واپس کر دیں، پس ان خسیس لوگوں سے یہ کہاں بن آئے کہ وہ زکوٰۃ ادا کریں اور نیکی کے کام کریں۔ حضرت علیؓ سے ماعون کا مطلب ادائیگی زکوٰۃ بھی مروی ہے، اور حضرت ابن عمرؓ سے بھی اور دیگر حضرات مفسرین معتبرین سے بھی، امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی نماز میں ریاکاری ہے اور اس کے مال کے صدقے میں رکاوٹ ہے۔ حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ یہ منافق لوگ ہیں نماز تو چونکہ ظاہر ہے پڑھنی پڑتی ہے اور زکوٰۃ چونکہ پوشیدہ ہے تو ادا نہیں کرتے، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ماعون وہ چیز ہے جو لوگ آپس میں ایک دوسرے سے مانگ لیا کرتے ہیں، جیسے کدال پھاوڑا دیگچی ڈول وغیرہ۔ دوسری روایت میں ہے کہ اصحاب رسولؐ اس کا یہی مطلب بیان کرتے تھے۔ اور روایت میں ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ہم اس کی تفسیر یہی کرتے تھے۔ نسائی کی حدیث میں ہے کہ ہر نیک چیز صدقہ ہے۔ ڈول اور ہانڈی یا پتیلی مانگے پر دینے کو ہم آنحضرتؐ کے زمانہ میں ماعون سے تعبیر کرتے تھے غرض اس کے معنی زکوٰۃ نہ دینے کے، اطاعت نہ کرنے کے، مانگی چیز نہ دینے کے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں کوئی مانگنے آئے اس سے انکار کر دینا مثلاً چھلنی، ڈول، سوئی، سل بٹا، کدال پھاوڑا، پتیلی، دیگچی وغیرہ، ایک غریب حدیث میں ہے کہ قبیلہ نمیر کے وفد نے حضورؐ سے کہا کہ ہمیں خاص حکم کیا ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ماعون سے منع نہ کرنا، انھوں نے پوچھا ماعون کیا ہے؟ فرمایا پتھر، لوہا، پانی، انھوں نے پوچھا لوہے سے مراد کونسا لوہا ہے؟ فرمایا یہی تمہاری تانبے کی پتیلیاں اور کدال وغیرہ، پوچھا پتھر سے کیا مراد ہے؟ فرمایا یہی دیگچی وغیرہ۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے بلکہ مرفوع ہونا منکر ہے۔ اور اس کی اسناد میں وہ راوی ہیں جو مشہور نہیں۔ علی نمیری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا مسلمان کا مسلمان بھائی ہے جب ملے سلام کرے جب سلام کرے تو بہتر جواب دے، اور ماعون کا انکار نہ کرے، میں نے پوچھا حضورؐ ماعون کیا؟ فرمایا پتھر، لوہا اور اسی جیسی اور چیزیں، واللہ اعلم۔

الحمدللہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے احسان و رحم سے اس سورت کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔

عہ یعنی اپنے اموال میں سے زکوٰۃ وغیرہ نہیں نکالتا۔

عہ یہ سورہ اسلام میں باہمی تعاون اور روا داری کہ چیزیں نہ دینے پر خاص ایک صورت میں مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی اور بتایا کہ اسلام نام ہے ہمدردی تعاون اور ایک دوسرے کے غم میں شریک ہونے کا۔

تفسیر سورۂ کوثر جو مدنیہ ہے یا مکیہ

سورۃ الکوثر مکیۃ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	وهی ثلث آیات

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ① فَصَلِّ لِرَبِّكَ

بیشک ہم نے آپ کو کوثر (ایک حوض کا نام ہے اور ہر خیر کثیر بھی اس میں داخل ہے) عطا فرمائی سو ان نعمتوں کے شکریہ میں آپ اپنے پروردگار کی

وَانْحَرْ ② إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ③

نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے　بالیقین آپ کا　دشمن ہی　بے نام ونشان ہے

عطاء کوثر

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ غنودگی سی طاری ہوئی اور دفعۃً سر اٹھا کر مسکرانے پھر یا تو خود آپؐ نے فرمایا یا لوگوں کے اس سوال پر کہ حضورؐ آپ کیوں مسکرائے؟ آپؐ نے فرمایا، مجھ پر اس وقت ایک سورت اتری، پھر آپؐ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اس پوری سورت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا خدا اور اس کا رسولؐ ہی خوب جانتے ہیں، فرمایا جنت میں وہ ایک نہر ہے جس پر بہت بھلائی ہے جو میرے رب نے مجھے عطا فرمائی ہے جس پر میری امت قیامت والے دن آئے گی، اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی گنتی کے برابر ہیں، بعض لوگ اس سے ہٹائے جائیں گے تو میں کہوں گا اے میرے رب یہ بھی میرے امتی ہیں تو کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں نکالی تھیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اس میں دو پرنالے آسمان سے گرتے ہوں گے۔ نسائی کی حدیث میں ہے کہ یہ واقعہ مسجد میں گزرا، اسی سے اکثر قاریوں کا استدلال ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور اکثر فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورت میں اس کے ساتھ ہی نازل ہوئی تھی، اور ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے۔ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کرکے فرمایا کہ مجھے کوثر عنایت کی گئی ہے جو ایک جاری نہر ہے لیکن گڑھا نہیں ہے اس کے دونوں کنارے موتی کے خیمے ہیں، اس کی مٹی خالص مشک ہے، اس کے کنکر بھی سچے موتی ہیں، اور روایت میں ہے کہ معراج والی رات آپؐ نے آسمان پر جنت میں اس نہر کو دیکھا اور جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کونسی نہر ہے؟ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا یہ کوثر ہے جو خدا نے آپؐ کو عطا فرمائی ہے اور اس قسم کی بہت سی حدیثیں ہیں، اور بہت سی ہم نے سورۂ اسراء کی تفسیر میں بیان بھی کر دی ہیں، ایک اور حدیث میں ہے کہ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے جس کے کنارے دراز گردن والے پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت صدیقؓ نے سن کر فرمایا وہ پرندے تو بہت ہی خوبصورت ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا کھانے میں بھی وہ بہت ہی لذیذ ہیں (ابن جریر) اور روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ سے سوال کیا کہ کوثر کیا ہے؟ اس پر آپؐ نے یہ حدیث بیان کی تو حضرت عمرؓ نے ان پرندوں کی نسبت یہ فرمایا (مسند احمد) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ نہر جنت کے وسط میں ہے، ایک منقطع سند سے حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ کوثر کے پانی کے گرنے کی آواز جو سننا چاہے وہ اپنے دونوں کانوں میں اپنی دونوں انگلیاں ڈال لے۔ اولاً تو اس کی سند ٹھیک نہیں، دوسرے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس جیسی آواز آتی ہے نہ کہ خاص اسی کی آواز۔ واللہ

نسخہ الشاکر یہ ہے اس بد عقیدت کی سزا، جس پر آج ہمارے بعض احباب ... رہے ہیں۔

واللہ اعلم۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کوثر سے مراد وہ بھلائی اور خیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو عطا فرمائی ہے۔ ابو بشرؒ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جُبیر رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سن کر کہا کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ یہ جنت کی ایک نہر ہے تو حضرت سعیدؒ نے فرمایا وہ بھی اُن بھلائیوں اور خیر میں سے ہے جو آپؐ کو خدا کی طرف سے عنایت ہوئی ہیں۔ اور بھی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس سے مراد بہت سی خیر ہے، تو یہ تفسیر شامل ہے حوضِ کوثر وغیرہ سب کو۔ کوثر ماخوذ ہے کثرت سے جس کی مراد خیرِ کثیر ہے اور اُسی خیرِ کثیر میں حوضِ جنت بھی ہے، جیسے کہ بہت سے مفسرین سے منقول ہے ف حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا اور آخرت کی بہت بہت بھلائیاں مراد ہیں عکرمہؒ فرماتے ہیں نبوت قرآن ثواب آخرت کوثر ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوثر کی تفسیر نہر کوثر سے بھی مروی ہے، جیسے کہ ابن جریر میں سنداً مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے دونوں کنارے سونا چاندی ہے جو یاقوت اور موتیوں پر بہہ رہی ہے جس کا پانی برف سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے ف حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ تفسیر مروی ہے (ابن جریر) ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں یہ روایت مرفوع بھی آئی ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے آپ اُس وقت گھر پر نہ تھے، آپ کی بیوی صاحبہ جو قبیلہ بنو نجار سے تھیں۔ انھوں نے کہا یا نبی اللہ وہ تو ابھی ابھی آپؐ ہی کی طرف گئے ہیں شاید بنو نجار میں رک گئے ہوں، آپؐ تشریف لے آئیے حضورؐ گھر میں تشریف لے گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کے سامنے ملیدہ رکھا جو آپؐ نے تناول فرمایا آپؐ ...... خوش ہو کر فرمانے لگیں کہ خدا رچائے پچائے اچھا ہوا کہ خود تشریف لے آئے ہیں تو حاضرِ دربار ہونے کا ارادہ کر چکی تھی کہ آپؐ کو حوضِ کوثر عطا ہونے کی مبارکباد دوں، مجھ سے ابھی ابھی حضرت ابو عمارہؓ نے کہا تھا آپؐ نے فرمایا ہاں اُس حوض کی زمین یاقوت، اور مرجان اور زمرد اور موتیوں کی ہے، اس کے ایک راوی حرام بن عثمان ضعیف ہیں لیکن واقعہ حسن ہے، اور اصل تو تواتر سے ثابت ہو چکی ہے۔ بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ وغیرہ سے ثابت ہے کہ کوثر نہر کا نام ہے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جیسے ہم نے تمہیں خیرِ کثیر عنایت فرمائی اور ایسی پُرشوکت نہر دی تو تم بھی صرف میری ہی عبادت کرو خصوصاً نفل فرض نماز اور قربانی اُسی وحدہٗ لاشریک لہٗ کے نام کی کرتے رہو۔ جیسے فرمایا۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ مراد قربانی سے اونٹوں کا نحر کرنا وغیرہ ہے مشرکین سجدے اور قربانیاں اللہ کے سوا اوروں کے نام کی کرتے تھے، تو یہاں حکم ہوا کہ تم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے نام کی مخلصانہ عبادتیں کیا کرو۔ اور جگہ ہے وَلَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَاِنَّہٗ لَفِسْقٌ الخ جس جانور پر خدا کا نام نہ لیا جائے۔ اُسے نہ کھاؤ یہ تو فسق ہے ف۔ اور کہا گیا ہے کہ مراد وَانْحَرْ سے دائیں ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر نماز میں سینے پر رکھنا ہے یہی حضرت علیؓ سے غیر صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ اس لفظ کی یہی تفسیر کرتے ہیں حضرت ابو جعفر باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نماز کے شروع کے وقت رفع الیدین کرنا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اپنے سینے سے قبلہ کی طرف متوجہ ہو۔ یہ تینوں قول ابن جریر میں منقول ہیں۔ ف ابن ابی حاتم میں اس جگہ ایک بہت منکر حدیث مروی ہے جس میں ہے کہ جب یہ سورت نبی اللہ علیہ صلوٰۃ اللہ پر اتری تو آپؐ نے فرمایا اے جبرئیل! وَانْحَرْ سے کیا مراد ہے؟ جو مجھے میرے پروردگار کا حکم ہو رہا ہے، تو حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا اس سے مراد قربانی نہیں بلکہ خدا کا تمہیں حکم ہو رہا ہے کہ نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کرو، اور رکوع کے وقت بھی، اور جب رکوع سے سر اٹھاؤ تب بھی اور جب سجدہ کرو، یہی ہماری نماز ہے اور اُن فرشتوں کی نماز ہے جو ساتوں آسمانوں میں ہیں، ہر چیز کی زینت ہوتی ہے اور نماز کی زینت ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین کرنا ہے یہ حدیث اسی طرح مستدرک حاکم میں بھی ہے حضرت عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وَانْحَرْ سے مراد یہ ہے کہ اپنی پیٹھ رکوع سے اُٹھاؤ تو اعتدال کرو اور سینے کو ظاہر کرو یعنی اطمینان حاصل کرو۔ (ابن ابی حاتم) یہ سب اقوال غریب ہیں، اور صحیح پہلا قول ہے کہ مراد نحر سے قربانیوں کا ذبح کرنا ہے اسی لئے مروی منقول صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید سے فارغ ہو کر اپنی قربانی ذبح کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے جو شخص ہماری نماز پڑھے اور ہم جیسی

قربانی کرے اُس نے شرعی قربانی کی، اور جس نے نماز سے پہلے ہی جانور ذبح کرلیا۔ اُس کی قربانی نہیں ہوئی۔ ابو بردہ بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا کیا رسول اللہؐ! میں نے نماز عید سے پہلے ہی قربانی کرلی۔ یہ سمجھکر کہ آج کے دن گوشت کی ضرورت ہوگی، آپؐ نے فرمایا بس وہ تو کھانے کا گوشت ہوگیا، صحابی نے کہا اچھا یا رسول اللہؐ اب میرے پاس ایک بکری کا بچہ ہے جو مجھے دو بکریوں سے بھی زیادہ محبوب ہے کیا یہ کافی ہوگا۔؟ آپؐ نے فرمایا ہاں تجھے تو کافی ہے لیکن تیرے بعد چھ مہینے کا بکری کا بچہ کوئی اور قربانی نہیں دے سکتا۔ امام ابو جعفر بن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ٹھیک قول اُس کا ہے جو کہتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی تمام نمازیں خالص اللہ ہی کے لئے ادا کرو اُس کے سوا کسی اور کے لئے نہ کر۔ اسی طرح اُس کی راہ خون بہا کسی اور کے نام پر قربانی نہ کر، اُس کا شکر بجالا جس نے تجھے یہ عظمت دی اور وہ نعمت دی جس جیسی کوئی اور نعمت نہیں، تجھی کو اس کے ساتھ خاص کیا، یہی قول بہت اچھا ہے۔ محمد بن کعب قرظیؒ اور عطاءؒ کا بھی یہی قول ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی تجھ سے اور تیری طرف اُتری ہوئی وحی سے دشمنی رکھنے والا ہی قلت و ذلت والا بے برکتا اور دم بریدہ ہے۔

یہ آیت عاص بن وائل کے بارے میں اُتری ہے، یہ پاجی جہاں حضورؐ کا ذکر خیر سنتا تو کہتا اسے چھوڑو وہ دُم کٹا ہے اُس کے پیچھے اُس کی نرینہ اولاد نہیں، اس کے انتقال کرتے ہی اس کا نام دنیا سے اُٹھ جائیگا۔ اس پر یہ مبارک سورت نازل ہوئی ہے شمر بن عطیہؒ فرماتے ہیں کہ عقبہ بن ابو معیط کے حق میں یہ آیت اُتری ہے ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ کعب بن اشرف اور جماعت قریش کے بارے میں نازل ہوئی ہے بزار میں ہے کہ جب کعب بن اشرف مکہ میں آیا تو قریشیوں نے اس سے کہا کہ آپ تو ان کے سردار ہیں، آپ اس بچہ کی طرف نہیں دیکھتے؟ جو اپنی ساری قوم سے الگ تھلگ ہے اور خیال کرتا ہے کہ وہ افضل ہے۔ حالانکہ ہم حاجیوں کے اہل ہیں در و لیست بیت اللہ ہمارے ہاتھوں میں ہر زمزم پر ہمارا قبضہ ہے، تو یہ خبیث کہنے لگا کہ بیشک تم اس سے بہتر ہو اس پر یہ آیت اُتری اس کی سند صحیح ہے، حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ابو لہب کے بارے میں یہ آیت اُتری ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو یہ بدنصیب مشرکین سے کہنے لگا کہ آج کی رات محمد کی نسل کٹ گئی (صلی اللہ علیہ وسلم و بارک) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری، ابن عباسؓ سے بھی یہ منقول ہے۔

آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضورؐ کا ہر دشمن ہے جن جن کے نام لئے گئے وہ بھی اور جن کا ذکر نہیں ہوا وہ بھی، اَبْتَرْ کے معنی ہیں تنہا، عرب کا یہ بھی محاورہ ہے کہ جب کسی کی نرینہ اولاد مرجائے تو کہتے ہیں بُتِرَ، حضور علیہ السلام کے صاحبزادوں کے انتقال پر بھی انھوں نے دشمنی کی وجہ کر یہی کہا جس پر یہ آیت اُتری تو مطلب یہ ہوا کہ اَبْتَرْ وہ ہے جس کے مرنے کے بعد اُس کا ذکر مٹ جائے، ان مشرکین نے حضورؐ کی نسبت بھی یہی خیال کیا تھا۔ کہ ان کے لڑکے تو انتقال کرگئے وہ نہ رہے جن کی وجہ سے آپؐ کے انتقال کے بعد بھی ان کا نام رہتا، حاشا و کلا اللہ تعالیٰ آپؐ کا نام رہتی دنیا تک رکھیگا، آپؐ کی شریعت ابد الآباد تک باقی رہیگی، آپؐ کی اطاعت ہر کہہ و مہ پر فرض کردی گئی ہے، آپؐ کا پیارا اور پاک نام ہر ایک مسلمان کے دل و زبان پر ہے اور قیامت تک فضائے آسمانی میں عروج و اقبال کے ساتھ گونجتا رہیگا۔ بحر و بر میں ہر وقت اُس کی منادی ہوتی رہے گی، اللہ تعالیٰ آپؐ پر اور آپؐ کی آل و اولاد پر اور ازواجؓ و اصحابؓ پر قیامت تک درود و سلام بحدہ و بکثرت بھیجتا رہے، آمین،

الحمد للہ خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے احسان و رحم سے سورۂ کوثر کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔ وللہ الحمد و المنۃ ؛

تفسیر سورۂ کافرون مکیہ

صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو اور سورۂ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ کو طواف کے بعد دو رکعت نمازیں تلاوت فرمایا۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صبح کی دو سنتوں میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہی دو سورتوں کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ مسند احمد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے صبح کی فرضوں سے پہلے کی دو رکعتوں میں اور مغرب کے بعد کی دو رکعتوں میں بیس اوپر کچھ دفعہ یا دس اوپر کچھ مرتبہ سورۂ قُلْ یَٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ ۝ اور سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ پڑھی (یعنی اتنی مرتبہ میں نے آپؐ کو یہ سورتیں ان نمازوں میں پڑھتے ہوئے سُنا) مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے چوبیس ۲۴ یا پچیس ۲۵ مرتبہ صبح کی دو سنتوں میں ان دونوں سورتوں کو پڑھتے ہوئے بخوبی دیکھا؎ مسند ہی کی دوسری روایت میں آپ سے مروی ہے کہ مہینہ بھر تک میں نے آپؐ کو ان دونوں رکعتوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے ہوئے پایا۔ یہ روایت ترمذی ابن ماجہ اور نسائی میں بھی ہے امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ وہ روایت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ یہ سورت چوتھائی قرآن کے برابر ہے اور سورۂ اِذَا زُلْزِلَتْ بھی۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت نوفل بن معاویہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ہماری ربیبہ زینبؓ کی پرورش تم اپنے ہاں کرو۔ میرے خیال سے یہ حضرت زینبؓ تھیں پھر ایک مرتبہ پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہو بچی کیا کر رہی ہے؟ کہا میں انھیں ان کی ماں کے پاس چھوڑ آیا ہوں، فرمایا اچھا کیوں آئے ہو؟ عرض کیا اس لئے کہ آپؐ سے کوئی وظیفہ سیکھ جاؤں جو سوتے وقت پڑھ لوں آپؐ نے فرمایا قُلْ یَٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ ۝ پڑھ کر سو جایا کرو اس میں شرک سے برأت اور بیزاری ہے طبرانی کی روایت میں ہے کہ جبلہ بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی آپؐ نے یہی فرمایا تھا۔ طبرانی کی اور روایت میں ہے کہ خود حضورؐ بھی اپنے بستر پر لیٹ کر اس سورت کی تلاوت فرمایا کرتے تھے مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت حارث بن جبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہؐ مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے کہ میں سونے کے وقت اسے پڑھ لیا کروں، آپؐ نے فرمایا جب تو رات کو اپنے بستر پر جائے تو سورۂ قُلْ یَٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ ۝ پڑھ لیا کر، یہ شرک سے بیزاری ہے۔ واللہ اعلم ؏

سورۃ الکافرون مکیۃ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ | وَهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝١ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝٢ وَلَآ اَنْتُمْ

آپ (ان کافروں سے) کہہ دیجئے کہ اے کافرو (میرا اور تمہارا طریقہ متحد نہیں ہو سکتا اور) نہ تو (فی الحال) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم

عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٣ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝٤ وَلَآ اَنْتُمْ

میرے معبود کی پرستش کرتے ہو اور نہ (آئندہ استقبال میں) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ

عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٥ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝٦ ع ۱ ۳۲

تم میرے معبود کی پرستش کرو گے تم کو تمہارا بدلہ ملیگا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا

ایک خطاب اس سورۂ مبارکہ میں مشرکین کے عمل سے بیزاری کا اعلان ہے اور خدا کی عبادت کے اخلاص کا حکم ہے گو یہاں خطاب مکہ کے کفار قریش سے ہے لیکن دراصل روئے زمین تمام کا فر مراد ہیں، اس کی شانِ نزول یہ ہے کہ ان کافروں نے حضورؐ سے کہا تھا کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں تو اگلے سال ہم بھی خدا کی عبادت کریں گے، اس پر یہ سورت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ ان کے دین سے اپنی پوری بیزاری کا اعلان فرما دیں کہ میں تمہارے ان بتوں کو اور جن جن کو تم خدا کا شریک مان رہے ہو ہرگز نہ پوجوں گا گو تم بھی میرے معبود برحق خدا وحدہ لاشریک لہ کو نہ پوجو، پس ما یہاں پر معنے میں مَنْ کے ہے، پھر دوبارہ یہی فرمایا

؎ یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک ہی بار آپؐ نے نمازوں میں ان کو بیس یا پچیس مرتبہ پڑھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ تقریباً بیس پچیس مرتبہ یعنی بارہا میں نے آپؐ کو یہ سورت پڑھتے ہوئے سُنا ہے۔

کہ میں تم جیسی عبادت نہ کروں گا۔ تمہارے مذہب پر میں کاربند نہیں ہو سکتا۔ نہ میں تمہارے پیچھے لگ سکتا ہوں، بلکہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ اور وہ بھی اس طریقہ پر جو اُسے پسند ہو، اور جیسے وہ چاہے، اسی لئے فرمایا کہ نہ تم میرے رب کے احکام کے آگے سر جھکاؤ گے نہ اُس کی عبادت اُس کے فرمان کے مطابق بجا لاؤ گے۔ بلکہ تم نے تو اپنے طرف سے طریقے مقرر کر لئے ہیں جیسا کہ ایک اور موقع پر ہے اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ الخ یہ لوگ صرف اٹکل اور گمان کے اور خواہش نفسانی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت پہنچ چکی ہے پس جناب نبی خدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طرح سے اپنا دامن ان سے چھڑا لیا۔ اور صاف طور پر ان کے معبودوں سے اور ان کی عبادت کے طریقوں سے علیحدگی اور ناپسندیدگی کا اعلان فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ ہر عابد کا معبود ہوگا۔ اور طریقۂ عبادت ہوگا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور طریقۂ عبادت اُن کا وہ ہے جو سَرورِ رُسل صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے **ف** اسی لئے کلمۂ اخلاص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۝ ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اُس کا راستہ وہی ہے جس کے بتانے والے محمدؐ ہیں جو خدا کے پیغمبر ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مشرکین کے معبود بھی خدا کے سوا غیر ہیں اور طریقۂ عبادت بھی خدا کا بتلایا ہوا نہیں اسی لئے فرمایا کہ تمہارا دین تمہارے لئے اور میرا دین میرے لئے، جیسے اور جگہ ہے وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ یعنی اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہدے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے۔ تم کو میرے اعمال سے کوئی سروکار نہیں۔ اور میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں اور جگہ فرمایا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ہمارے عمل ہمارے ساتھ اور تمہارے عمل تمہارے ساتھ۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ تمہارے لئے تمہارا دین ہے یعنی کفر اور میرے لئے میرا دین ہے یعنی اسلام، یہ لفظ اصل میں دِيْنِيْ تھا۔ لیکن چونکہ اور آیتوں کا وقف نون پر ہے اسلئے اس میں بھی "یا" کو حذف کر دیا۔ جیسے فَهُوَ يَهْدِيْنِ میں اور يَسْقِيْنِ میں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ میں اب تو تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا نہیں اور آگے کیلئے بھی تمہیں نا اُمید کر دیتا ہوں کہ عمر بھر میں کبھی بھی یہ کفر مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ اسی طرح نہ تم اب میرے خدا کو پوجتے ہو نہ آئندہ اُس کی عبادت کرو گے، اس سے مراد وہ کفار ہیں جن کا ایمان نہ لانا خدا کو معلوم تھا۔ جیسے قرآن میں اور جگہ ہے وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۝ یعنی تیری طرف جو اُترتا ہے اُس سے اُن میں سے اکثر تو سرکشی اور کفر میں بڑھ جاتے ہیں، ابن جریرؒ نے بعض عربی داں حضرات سے نقل کیا ہے کہ دو مرتبہ اس جملہ کا لانا صرف تاکید کیلئے ہے جیسے فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ میں اور جیسے لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ بہرحال ان دونوں جملوں کو مکرر لانے کی حکمت میں یہ تین قول ہوئے، ایک تو یہ کہ پہلے جملے سے مراد معبود اور دوسرے سے مراد طریق عبادت۔ دوسرے یہ کہ پہلے جملے سے مراد حال دوسرے سے مراد استقبال یعنی آئندہ۔ تیسرے یہ کہ پہلے جملہ کی تاکید دوسرے جملہ سے ہے ایک چوتھی توجیہ ان کے علاوہ بھی ہے جیسے حضرت امام ابن تیمیہؒ اپنی بعض تصنیفات میں ترجیح دیتے ہیں، وہ یہ کہ پہلے تو جملہ فعلیہ ہے دوبارہ جملہ اسمیہ ہے تو مراد یہ ہوئی کہ نہ تو میں غیر اللہ کی عبادت کرتا ہوں نہ مجھ سے کبھی بھی کوئی امید رکھ سکتا ہے، یعنی واقعہ کی بھی نفی ہے اور شرعی طور پر ممکن ہونیکا بھی انکار ہے یہ قول بھی بہت بہتر ہے واللہ اعلم۔ **ف** حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفر ایک ہی ملت ہے۔ اسلئے یہودی نصرانی کا اور نصرانی یہودی کا وارث ہو سکتا ہے جب کہ ان دونوں میں نسب یا سبب وراثت کا پایا جائے، اسلئے کہ اسلام کے سوا کفر کی جتنی راہیں ہیں وہ سب باطل ہوتے ہیں ایک ہی ہیں۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین کا مذہب اس کے خلاف ہے کہ نہ یہودی نصرانی کا وارث ہو سکتا ہے نہ نصرانی یہودی کا۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ سورۃ کافرون کی تفسیر ختم ہوئی۔ والحمد للہ علیٰ احسانہٖ۔

تفسیر سورۂ نصر مدنیہ

پہلے وہ حدیث بیان ہو چکی ہے کہ یہ سورت چوتھائی قرآن[عہ] کے برابر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے پوچھا جانتے ہو سب سے آخر کونسی سورت اتری؟ جواب دیا کہ ہاں یہی سورت اِذَا جَآءَ تو آپ نے فرمایا تم صحیح کہتے ہو (نسائی) حافظ ابو بکر بزار اور حافظ بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ یہ سورت ایام تشریق کے درمیان کے دن اتری تو آپؐ سمجھ گئے کہ یہ رخصت کی سورت ہے اسی وقت حکم دیا اور آپؐ کی اونٹنی قصویٰ کسی گئی اور آپؐ اس پر سوار ہوئے اور اپنا وہ مشہور خطبہ پڑھا جو مشہور ہے۔ بیہقی میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور فرمایا مجھے میرے انتقال کی خبر آگئی ہے، حضرت زہرا رضی اللہ عنہا رونے لگیں پھر یکایک ہنس پڑیں، جب اور لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا خبر انتقال نے تو رلا دیا۔ لیکن روتے ہوئے حضورؐ نے تسلی دی اور فرمایا بیٹی صبر کرو میری اہل میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی تو مجھے بے ساختہ ہنسی آگئی۔

سورۃ النصر مدنیۃ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيٰتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝١ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب خدا کی مدد اور مکہ کی فتح (مع اپنے آثار کے) آپہنچے (یعنی واقع ہو جائے) اور (آثار جو اس پر متفرع ہونے والے ہیں یہ ہیں کہ) آپ لوگوں کو اللہ کے دین

دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝٢ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝٣ ع ۳

(یعنی اسلام) میں جوق جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجئے اور اس سے استغفار کی درخواست کیجئے وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے

نَصْرُ مِّنَ اللّٰهِ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ بڑی عمر والے بدری مجاہدین کے ساتھ ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے بھی شامل کر لیا کرتے تھے تو شاید کسی کے دل میں اس سے کچھ ناراضگی پیدا ہوتی ہوگی اس نے کہا کہ یہ ہمارے ساتھ نہ آیا کریں، ان جیسے تو ہمارے بچے ہیں، خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم انھیں خوب جانتے ہو ایک دن سب کو بلایا۔ اور مجھے بھی یاد فرمایا میں سمجھ گیا کہ آج انھیں کچھ دکھانا چاہتے ہیں، جب ہم سب جا پہنچے تو امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم کو پوچھا کہ سورۂ اِذَا جَآءَ کی نسبت تمہیں کیا علم ہے؟ بعض نے کہا اس میں ہمیں خدا کی حمد و ثنا بیان کرنے اور گناہوں کی بخشش چاہنے کا حکم کیا گیا ہے کہ جب مدد خدا آجائے اور ہماری فتح ہو تو ہم یہ کریں اور بعض بالکل خاموش رہے، تو آپ نے میری طرف توجہ فرمائی اور کہا کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں، فرمایا پھر اور کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کا پیغام ہے آپؐ کو معلوم کرایا جا رہا ہے کہ اب آپؐ کی دنیوی زندگی ختم ہونے کو ہے آپؐ تسبیح اور حمد میں اور استغفار میں مشغول ہو جائیے، حضرت فاروقؓ نے فرمایا یہی میں بھی جانتا ہوں (بخاری) جب یہ سورت اتری تو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اب اسی سال میرا انتقال ہو جائیگا، مجھے میرے انتقال کی خبر دے دی گئی ہے (مسند احمد) مجاہدؒ ابو العالیہؒ ضحاکؒ وغیرہ بھی یہی تفسیر بیان کرتے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ مدینہ شریف میں تھے فرمانے لگے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر خدا تعالیٰ کی مدد آگئی اور فتح بھی، یمن والے آگئے پوچھا گیا حضورؐ یمن والے کیسے ہیں؟ فرمایا وہ نرم دل لوگ ہیں سلجھی ہوئی طبیعت والے ہیں۔ ایمان تو یمنیوں کا ہے اور سمجھ بھی یمنیوں کی ہے اور حکمت بھی یمن والوں کی ہے (ابن جریر) ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب

عہ یعنی اجر و ثواب کے اعتبار سے، چوتھائی قرآن کی تلاوت پر جتنا ثواب ملتا اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس سورت پر اتنا ملیگا

یہ سورت اتری تو چونکہ اس میں آپؐ کے انتقال کی خبر تھی تو آپؐ نے اپنے کاموں میں اور کمر کس لی اور تقریباً وہی فرمایا جو اوپر گزرا (طبرانی) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ سورتوں میں پوری سورت نازل ہونے کے اعتبار سے سب سے آخری سورت یہی ہے (طبرانی) اور حدیث میں ہے کہ جب یہ سورت اتری تو آپؐ نے اس کی تلاوت کی اور فرمایا کہ لوگ ایک کنارہ میں اور میں اور میرے اصحابؓ ایک کنارہ میں ہیں، سنو فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں البتہ جہاد اور نیت ہے مروان کو جب یہ حدیث حضرت ابو سعید خدریؓ نے سنائی تو یہ کہنے لگا جھوٹ کہتا ہے، اس وقت مروان کے ساتھ اس کے تخت پر حضرت رافع بن خدیجؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت ابو سعیدؓ فرمانے لگے کہ ان دونوں کو بھی اس حدیث کی خبر ہے یہ بھی اس حدیث کو بیان کر سکتے ہیں لیکن ایک کو تو اپنی سرداری چھن جانے کا خوف ہے اور دوسرے کو زکوٰۃ کی وصولی کے عہدے سے سبکدوش ہو جانے کا ڈر ہے۔ مروان نے یہ سنکر کوڑا اٹھا کر حضرت ابو سعیدؓ کو مارنا چاہا ان دونوں بزرگوں نے جب یہ دیکھا تو کہنے لگے مروان سن حضرت ابو سعیدؓ نے سچ بیان فرمایا ہے (مسند احمد) یہ حدیث ثابت ہے، حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فتح مکہ کے دن فرمایا ہجرت نہیں رہی ہاں جہاد اور نیت ہے، جب تمہیں چلنے کو کہا جائے تو اٹھ کھڑے ہوا کرو، صحیح بخاری اور صحیح مسلم شریف میں یہ حدیث موجود ہے ہاں یہ بھی یاد رہے کہ جن بعض صحابہؓ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اس سورت کا یہ مطلب بیان کیا کہ جب ہم پر اللہ تعالیٰ شہر اور قلعے فتح کر دے اور ہماری مدد فرمائے تو ہمیں حکم مل رہا ہے کہ ہم اس کی تعریفیں بیان کریں اور اس کا شکر ادا کریں، اس کی پاکیزگی بیان کریں، نماز ادا کریں اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں۔ یہ مطلب بھی بالکل صحیح ہے اور یہ تفسیر بھی نہایت عمدہ ہے دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ والے دن ضحیٰ کے وقت آٹھ رکعت نماز ادا کی، گو لوگ کہتے ہیں کہ یہ ضحیٰ کی نماز تھی۔ لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ ضحیٰ کی نماز آپؐ ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے پھر اس دن جب کہ اور کام بہت زیادہ تھا مسافرت تھی اسے کیسے پڑھی؟ آپؐ کی اقامت فتح مکہ کے موقع پر مکہ شریف میں رمضان شریف کے آخر تک انیس دن رہی، آپؐ فرض نماز کو بھی قصر کرتے رہے روزہ بھی نہیں رکھا اور تمام لشکر جو تقریباً دس ہزار تھا اسی طرح کرتا رہا۔ ان حقائق سے یہ بات صاف ثابت ہوتی ہے کہ یہ نماز فتح مکہ کے شکریہ کی نماز تھی، اسی لئے سردار لشکر امام وقت پر مستحب ہے کہ جب کوئی شہر فتح ہو تو داخل ہوتے ہی آٹھ رکعت نماز ادا کرے۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے فتح مدائن والے دن ایسا ہی کیا تھا ان آٹھ رکعتوں کو دو دو رکعتیں کر کے ادا کرے، گو بعض کا یہ قول بھی ہے کہ آٹھ رکعتوں کو ایک ہی سلام سے پڑھ لے، لیکن ابو داؤد میں صراحتاً ہے کہ حضورؐ نے اس نماز میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا ہے، دوسری تفسیر بھی صحیح ہے جو ابن عباسؓ وغیرہ نے کی ہے کہ اس میں آپؐ کو آپؐ کی وصال کی خبر دی گئی۔ کہ جب آپؐ مکہ فتح کر لیں جہاں سے ان کفار نے آپؐ کو نکل جانے پر مجبور کیا تھا اور آپؐ اپنی آنکھوں اپنی محنت کا پھل دیکھ لیں کہ فوجوں کی فوجیں آپؐ کے جھنڈے تلے آ جائیں جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں۔ تو ہماری طرف آنے کی اور ہم سے ملاقات کی تیاری میں لگ جائیے سمجھ لو کہ جو کام ہمیں تم سے لینا تھا پورا ہو چکا۔ اب آخرت کی طرف نگاہیں ڈالو جہاں آپؐ کے لئے بہت بہتری ہے اور اس دنیا سے بہت زیادہ بھلائی آپؐ کے لئے وہاں ہے، وہیں آپؐ کی مہمانی تیار ہے اور مجھ جیسا میزبان ہے۔ آپؐ ان نشانات کو دیکھکر بکثرت میری حمد و ثنا کرو اور توبہ استغفار میں لگ جاؤ۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع سجدے میں بکثرت سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ پڑھا کرتے تھے آپؐ قرآن کی اس آیت فَسَبِّحْ الخ پر عمل کرتے تھے اور روایت میں ہے کہ حضورؐ اپنی آخری عمر میں ان کلمات کا اکثر ورد کرتے تھے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ خدا کی ذات پاک ہے اسی کے لئے سب تعریفیں سزاوار ہیں، میں خدا سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف جھکتا ہوں، اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے رب نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ جب میں یہ علامت دیکھ لوں کہ مکہ فتح ہو گیا اور دین اسلام میں لوگ فوجوں کی فوجیں داخل ہونے لگیں تو میں ان کلمات کو بکثرت کہوں چنانچہ بحمد اللہ میں اسے دیکھ چکا لہٰذا اب اسی وظیفے میں مشغول ہوں (مسند احمد)

ابن جریر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضورؐ اپنی آخری عمر میں اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے آتے جاتے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھا کرتے، میں نے ایک مرتبہ پوچھا کہ حضورؐ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپؐ نے اس سورت کی تلاوت کی اور فرمایا مجھے حکم خدا یہی ہے۔ کسی مجلس میں بیٹھیں تو پھر وہ مجلس برخاست ہو تو کیا پڑھنا چاہیے اسے ہم اپنی ایک مستقل تصنیف میں لکھ چکے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ جب یہ سورت اتری تو حضورؐ اسے اکثر اپنی نمازوں میں تلاوت کرتے اور رکوع میں تین مرتبہ یہ پڑھتے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ فتح سے مراد یہاں فتح مکہ ہے اس پر اتفاق ہے، عموماً عرب قبائل اسی کے منتظر تھے کہ اگر یہ اپنی قوم پر غالب آجائیں اور مکہ ان کے زیر نگیں آجائے تو پھر ان کے نبی ہونے میں ذرا سا بھی شبہ نہیں، اب جب کہ خدا نے اپنے حبیب کے ہاتھوں فتح مکہ کرا دیا تو یہ سب اسلام میں آگئے، اس کے بعد دو سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ سارا عرب مسلمان ہو گیا اور ہر قبیلے میں اسلام اپنا راج کرنے لگا۔ والحمدللہ۔ صحیح بخاری شریف میں بھی حضرت عمرو بن سلمہؓ کا یہ مقولہ موجود ہے کہ مکہ فتح ہوتے ہی ہر قبیلے نے اسلام کی طرف سبقت کی، ان سب کو اسی بات کا انتظار تھا اور کہتے تھے کہ انہیں اور ان کی قوم کو چھوڑ دو دیکھو اگر یہ نبی برحق ہیں تو اپنی قوم پر غالب آجائیں گے اور مکہ پر ان کا قبضہ ہو جائے گا۔ ہم نے غزوۂ فتح مکہ کا پورا پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے جو صاحب تفصیلات دیکھنا چاہیں وہ اس کتاب کو دیکھ لیں۔ فالحمدللہ۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑوسی جب اپنے کسی سفر سے واپس آئے تو حضرت جابرؓ ان سے ملاقات کرنے کے لئے گئے انھوں نے لوگوں کے باہمی اختلاف کا حال بیان کیا اور ان کی افسوسناک بدعتوں کا ذکر کیا تو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور روتے ہوئے فرمانے لگے کہ میں نے حبیب خدا شافع روز جزا حضرت محمد مصطفےٰ فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگوں کی فوجوں کی فوجیں خدا کے دین میں داخل ہوئیں لیکن عنقریب جماعتوں کی جماعتیں ان میں سے نکلنے بھی لگ جائیں گی۔ اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ والحمدللہ علی احسانہ؛

تفسیر سورۂ لہب مکیہ

سورۃ اللھب مکیۃ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | وھی خمس آیات

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

تَبَّتْ يَدَاۤ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝١ مَاۤ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝٢

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی (مال سے مراد سرمایہ اور ما کسب سے مراد اس کا نفع اور آخرت ہیں)

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝٣ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝٤ فِيْ

وہ عنقریب دہکنے والی (بے حد متصل) ایک شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے (مراد خار دار لکڑیاں ہیں جن کا شان نزول میں ذکر ہے) اور دوزخ میں

جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝٥ ع۱ ۵ ۳

اس کے گلے میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی

اور یہ مردود ابولہب صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطحا میں جاکر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے اور اونچی آواز سے یا صباحاہ یا صباحاہ کہنے لگے قریش سب جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا اگر میں تم سے کہوں کہ صبح یا

شام دشمن تم پر چھاپہ مارنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے جواب دیا جی ہاں، آپؐ نے فرمایا سنو میں تمہیں خدا تعالیٰ کے سخت عذاب کے آنے کی خبر دے رہا ہوں، تو ابو لہب کہنے لگا تجھے ہلاکی ہو کیا اسی لئے تو نے ہمیں جمع کیا تھا؟ اس پر یہ سورت اتری (بخاری) دوسری روایت میں ہے کہ یہ ہاتھ جھاڑتا ہوا یوں کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تبت بد دعا ہے اور تب خبر ہے، یہ ابو لہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اس کا نام عبد العزیٰ بن عبد المطلب تھا اس کی کنیت ابو عتبہ تھی، اس کے چہرے کی خوبصورتی اور چمک دمک کی وجہ سے اسے ابو لہب یعنی شعلے والا کہا جاتا تھا، یہ حضورؐ کا بدترین دشمن تھا ہر وقت ایذا دہی تکلیف رسانی اور نقصان پہنچانے کے درپے رہا کرتا تھا۔ ربیعہ بن عباد دیلی اپنے اسلام لانے کے بعد اپنا جاہلیت کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا کہ آپؐ فرما رہے ہیں کہ لوگو! لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو تو فلاح پاؤ گے، لوگوں کا مجمع آپؐ کے آس پاس لگا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ آپ کے پیچھے ہی ایک گورے چٹے چمکتے چہرے والا بھینگی آنکھ والا جس کے سر کے بڑے بالوں کی دو مینڈھیاں تھیں آیا اور کہنے لگا: لوگو! یہ بے دین ہے جھوٹا ہے غرض کہ آپؐ لوگوں کے مجمع میں جا کر خدا کی توحید کی دعوت دیتے تھے اور یہ شخص پیچھے پیچھے یہ کہتا ہوا چلا جا رہا تھا، میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ آپؐ کا چچا ابو لہب ہے (لعنۃ اللہ۔ مسند احمد) ابو الزناد نے راوی حدیث حضرت ربیعہؓ سے کہا کہ آپ تو اس وقت بچے ہوں گے، فرمایا نہیں میں اس وقت خاصی عمر کا تھا، مشک لاد کر پانی بھر لایا کرتا تھا دوسری روایت میں ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ تھا ان دنوں جوان تھا اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک قبیلے کے پاس جاتے اور فرماتے لوگو! میں تمہاری طرف خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں میں تم سے کہتا ہوں کہ ایک اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ مجھے سچا جانو، مجھے میرے دشمنوں سے بچاؤ تاکہ میں اس کام کو بجا لاؤں جس کا حکم مجھے دے کر خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے آپؐ جہاں یہ پیغام پہنچا کر فارغ ہوتے کہ آپؐ کا چچا ابو لہب پیچھے سے پہنچتا اور کہتا اے فلاں قبیلے کے لوگو یہ شخص تو تمہیں لات و عزیٰ سے ہٹانا چاہتا ہے اور بنو مالک بن اقیش کے تمہارے حلیف جنوں سے تمہیں دور کر رہا ہے اور اپنی لائی ہوئی گمراہی کی طرف تمہیں بھی گھسیٹ رہا ہے، خبردار نہ اس کی سننا نہ ماننا (احمد و طبرانی) اللہ تعالیٰ اس سورت میں فرماتا ہے کہ ابو لہب برباد ہوا اس کی کوشش غارت ہوئی اس کے اعمال ہلاک ہوئے بالیقین اس کی بربادی ہو چکی، اس کی اولاد اس کے کام نہ آئی۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو خدا کی طرف بلایا تو ابو لہب کہنے لگا اگر میرے بھتیجے کی باتیں حق بھی ہیں تو میں قیامت کے دن اپنا مال و اولاد خدا کو فدیے میں دے کر اس کے عذاب سے چھوٹ جاؤں گا، اس پر یہ آیت مَآ اَغْنٰی الخ اتری۔ پھر فرمایا کہ یہ شعلے مارنے والی آگ میں جو سخت جلانے والی اور بہت تیز ہے داخل ہوگا۔ اور اس کی بیوی بھی جو قریش عورتوں کی سردار تھی اس کی کنیت ام جمیل تھی، نام اروی تھا۔ حرب بن امیہ کی لڑکی تھی، ابو سفیان کی بہن تھی اور اپنے خاوند کے کفر و عناد اور سرکشی و دشمنی میں یہ بھی اس کے ساتھ تھی، اسی لئے قیامت کے دن عذاب میں بھی اس کے ساتھ ہوگی۔ لکڑیاں اٹھا اٹھا کر لائے گی اور جس آگ میں اس کا خاوند جل رہا ہوگا ڈالتی جائیگی۔ اس کے گلے میں آگ کی رسی ہوگی، اور جہنم کا ایندھن سمیٹتی رہیگی۔ یہ معنے بھی کئے گئے ہیں کہ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ سے مراد اس کا غیبت گو ہونا ہے امام ابن جریرؒ اسی کو پسند کرتے ہیں ابن عباسؓ وغیرہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ جنگل سے خاردار لکڑیاں چن لاتی تھی اور حضورؐ کی راہ میں بچھا دیا کرتی تھی یہ بھی کہا گیا ہے کہ چونکہ یہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فقیری کا طعنہ دیا کرتی تھی تو اسے اس کا لکڑیاں چننا یاد دلایا گیا، لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے واللہ اعلم۔ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے پاس ایک نفیس ہار تھا کہتی تھی کہ میں اسے فروخت کر کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت میں خرچ کروں گی تو یہاں فرمایا گیا کہ اس کے بدلے اس کے گلے میں آگ کا طوق ڈالا جائیگا۔ مسد کے معنے کھجور کی رسی کے ہیں حضرت عروہؓ فرماتے ہیں کہ یہ جہنم کی زنجیر ہے جس کی ایک ایک کڑی ستر ستر گز کی ہے ثوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ جہنم کا طوق ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے جوہریؒ فرماتے ہیں کہ یہ اونٹ کی کھال کی اور اونٹ کے بالوں کی بنائی جاتی ہے مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یعنی لوہے کا طوق۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ سورت اتری تو یہ بھینگی عورت

؎ بعض محققین نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں ابو لہب بطور کنیت نہیں آیا۔ بلکہ بطور پیشنگوئی آیا ہے کہ اس کا انجام جہنمی ہونا ہے چنانچہ راغب نے مفردات میں لکھا ہے کہ قال بعض المفسرین انہ لم یقصد بذلک مقصد کنیتہ التی اشتہر بہا وانما قصد الی اثبات النار لہ وانہ من اہلہا۔

ام جمیل بنت حرب اپنے ہاتھ میں نوک دار پتھر لئے یوں کہتی ہوئی حضورؐ کے پاس آئی ؎

مُذَمَّمًا اَبَیْنَا ۔ وَ دِیْنَهٗ قَلَیْنَا ۔ وَ اَمْرَهٗ عَصَیْنَا ۔ یعنی ہم مذمم کے منکر ہیں اس کے دین کے دشمن ہیں اور اس کے نافرمان ہیں۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ میں بیٹھے ہوئے تھے، آپؐ کے ساتھ میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، صدیق اکبرؓ نے اسے اس حالت میں دیکھ کر حضورؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ یہ آرہی ہے ایسا نہ ہو کہ آپؐ کو دیکھ لے، آپؐ نے فرمایا صدیقؓ بے غم رہو یہ مجھے نہیں دیکھ سکتی، پھر آپؐ نے قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی تاکہ اس سے بچ جائیں۔ خود قرآن فرماتا ہے وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۔ یعنی جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور ایمان نہ لانے والوں کے درمیان پوشیدہ پردے ڈال دیتے ہیں، یہ خبیثہ آکر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آکر کھڑی ہوگئی گو حضورؐ بھی حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس ہی بالکل ظاہر بیٹھے ہوئے تھے لیکن قدرتی حجابوں نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا وہ حضورؐ کو نہ دیکھ سکی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگی کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تیرے ساتھی نے میری ہجو کی ہے یعنی شعروں میں میری مذمت کی ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں نہیں رب البیت کی قسم حضورؐ نے تیری کوئی ہجو نہیں کی تو یہ کہتی ہوئی لوٹ گئی کہ قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں (ابن ابی حاتم) ایک مرتبہ یہ اپنی لمبی چادر اوڑھے طواف کر رہی تھی پیر چادر میں الجھ گیا اور پھسل پڑی تو کہنے لگی مذمم غارت ہو، ام حکیم بنت عبدالمطلب نے کہا میں تو پاک دامن عورت ہوں اپنی زبان نہیں بگاڑوں گی اور دوستی کرنے والی ہوں پس داغ نہ لگاؤں گی اور ہم سارے ایک ہی دادا کی اولاد میں ہیں اور قریش ہی پھر تو زیادہ جاننے والے ہیں۔ بزار میں ہے کہ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تیرے ساتھی نے میری ہجو کی ہے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے قسم کھا کر جواب دیا کہ نہ تو آپؐ شعر گوئی جانتے ہیں نہ کبھی آپؐ نے شعر کہے۔ اس کے جانے کے بعد حضرت صدیقؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ کیا اس نے آپؐ کو دیکھا نہیں؟ آپؐ نے فرمایا فرشتہ آڑ بن کر کھڑا ہوا تھا جب تک وہ واپس چلی نہ گئی بعض اہل علم نے کہا ہے کہ اس کے گلے میں جہنم کی آگ کی رسی ہوگی جس سے اسے کھینچ کر جہنم کے اوپر لایا جائیگا۔ پھر ڈھیلی چھوڑ کر جہنم کی تہ میں پہنچا دیا جائے گا یہی عذاب اسے ہوتا رہیگا، ڈول کی رسی کو عرب مَسَد کہا کرتے ہیں، عربی شعروں میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے ہاں یہ یاد رہے کہ یہ بابرکت سورت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک اعلیٰ دلیل ہے، کیونکہ جس طرح ان کی بد بختی کی خبر اس سورت میں دی گئی تھی اسی طرح واقع بھی ہوا، ان دونوں کو ایمان لانا آخر تک نصیب ہی نہ ہوا نہ تو یہ ظاہر میں مسلمان ہوئے نہ باطن میں نہ چھپے نہ کھلے پس یہ سورت زبردست بہت صاف اور روشن دلیل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی۔ اس سورت کی تفسیر بھی ختم ہوئی، اللہ ہی کے لئے سب تعریفیں ہیں اور اسی کے فضل و کرم اور اسی کے احسان و انعام کی یہ برکت ہے۔

تفسیر سورۂ اخلاص مکیّہ

اس کی شان نزول اور اس کی فضیلت کا بیان: مسند احمد میں ہے کہ مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اپنے رب کے اوصاف بیان کرو، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ صَمَد کے معنے ہیں جو نہ تو پیدا ہوا ہو نہ اس کی اولاد ہو، اسلئے کہ جو پیدا ہوا ہے وہ ایک وقت مریگا بھی اور دوسرے اس کے وارث ہوں گے اللہ عزوجل نہ مرے نہ اس کا کوئی وارث ہو، اس جیسا اور اس کی جنس کا کوئی نہیں نہ اس کے مثل کوئی چیز ہے، ترمذی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے ابو یعلیٰ موصلی میں بھی ہے کہ ایک اعرابی نے یہ سوال کیا تھا اور روایت میں ہے کہ مشرکین کے اس سوال کے جواب میں یہ سورت اتری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی نسبت ہے اور خدا کی نسبت یہ سورت ہے، صمد اسے کہتے ہیں جو کھوکھلا نہ ہو، بخاری شریف کتاب التوحید میں ہے کہ حضورؐ نے ایک چھوٹا

سالشکر کہیں بھیجا جس وقت وہ پلٹے تو اُنھوں نے کہا کہ حضورؐ نے ہم پر جسے سردار بنایا تھا وہ ہر نماز کی قرأت کے خاتمہ پر سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ
احد پڑھا کرتے تھے، آپؐ نے فرمایا اُن سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے تھے، پوچھنے پر انھوں نے کہا کہ یہ سورت رحمٰن کی صفت ہے
مجھے اس کا پڑھنا بہت ہی پسند ہے، حضورؐ نے فرمایا کہ اُنھیں خبر دو کہ خدا بھی اُس سے محبت رکھتا ہے بخاری شریف کی کتاب الصلوٰۃ میں ہے
کہ ایک انصاری مسجد قبا کے امام تھے اُن کی عادت تھی کہ الحمد ختم کر کے پھر اس سورت کو پڑھتے پھر جو نسی سورت پڑھنی ہوتی یا جہاں سے چاہتے
قرآن پڑھتے۔ ایک دن مقتدیوں نے کہا کہ آپ اس سورت کو پڑھتے ہیں پھر دوسری سورت ملاتے ہیں یہ کیا؟ یا تو آپ صرف اسی کو پڑھئیے یا
چھوڑ دیجئے۔ دوسری سورت ہی پڑھا کیجئے انھوں نے جواب دیا کہ میں تو جس طرح کرتا ہوں کرتا رہوں گا تم چاہو تو مجھے امام رکھو، کہو تو میں تمہاری امامت
چھوڑ دوں اب انھیں یہ مشکل معلوم ہوا کیونکہ ان سب میں یہ زیادہ افضل تھے ان کی موجودگی میں دوسرے کا نماز پڑھانا بھی انھیں گوارا نہ ہو سکا،
ایک دن جب کہ حضورؐ ان کے پاس تشریف لائے تو ان لوگوں نے آپؐ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے امام صاحب سے فرمایا کہ تم کیوں اپنے
ساتھیوں کی بات نہیں مانتے اور ہر رکعت میں اس سورت کو کیوں پڑھتے ہو؟ وہ کہنے لگے یا رسول اللہؐ! مجھے اس سورت سے بڑی محبت
ہے، آپؐ نے فرمایا اس کی محبت نے تجھے جنت میں پہنچا دیا، ترمذی اور مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آپؐ سے کہا کہ میں اس سورت
سے بہت محبت رکھتا ہوں آپؐ نے فرمایا اس کی محبت نے تجھے جنت میں پہنچا دیا۔ ایک شخص نے کسی کو اس سورت کو پڑھتے ہوئے رات کے
وقت سُنا کہ وہ بار بار اسی کو دہرا رہا ہے صبح کے وقت آ کر اس نے حضورؐ سے ذکر کیا گویا کہ وہ اسے ہلکے ثواب کا کام جانتا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ سورت مثل تہائی قرآن ہے (بخاری) صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا کہ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ لو تو یہ صحابہؓ کو دشوار معلوم ہوا،
اور عرض کیا کہ اتنی طاقت تو ہر ایک میں نہیں، آپؐ نے فرمایا سنو سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ احد تہائی قرآن ہے مسند احمد میں ہے کہ حضرت قتادہ بن نعمان
رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساری رات اسی سورت کو پڑھتے رہے حضورؐ سے جب ذکر کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ سورت آدھے قرآن یا تہائی قرآن کے برابر ہے
ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی کو اس کی طاقت ہے کہ وہ ہر رات تیسرا حصہ قرآن کا
پڑھ لیا کرے عرض کیا گیا یہ کس سے ہو سکے گا؟ آپؐ نے فرمایا سنو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ تہائی قرآن کے برابر ہے، اتنے میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے آپؐ نے سن لیا اور فرمایا کہ ابو ایوبؓ ٹھیک کہتے ہیں (مسند احمد) ترمذی میں ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ
علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ جمع ہو جاؤ میں تمہیں آج تہائی قرآن سناؤں گا، لوگ جمع ہو کر بیٹھ گئے آپؐ گھر سے تشریف لائے سورۃ قُلْ
هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ پڑھی اور پھر گھر تشریف لے گئے، اب صحابہؓ میں باتیں ہونے لگیں کہ وعدہ تو حضورؐ کا یہ تھا کہ تہائی قرآن سنائیں گے
شاید آسمان سے کوئی وحی آ گئی ہو، اتنے میں آپؐ پھر واپس تشریف لائے اور فرمایا میں نے تم سے تہائی قرآن سنانے کا وعدہ کیا تھا، سنو یہ تہ
تہائی قرآن کے برابر ہے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ
ہر دن تہائی قرآن شریف پڑھ لیا کرو، لوگوں نے عرض کیا حضورؐ ہم سے یہ بہت مشکل اور دشوار ہے، آپؐ نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے قرآن کے
تین حصے کئے ہیں۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ تیسرا حصہ ہے (مسلم نسائی وغیرہ) ایسی ہی روایتیں صحابہ کرامؓ کی ایک بہت بڑی جماعت سے منقول
ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ کہیں سے تشریف لا رہے تھے آپؐ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے تو آپؐ نے ایک شخص
کو اس سورت کی تلاوت کرتے ہوئے سُن کر فرمایا کہ واجب ہو گئی، حضرت ابو ہریرہؓ نے پوچھا کیا واجب ہو گئی؟ فرمایا جنت (ترمذی و نسائی)
ابو یعلیٰ کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ کیا تم میں سے کوئی یہ طاقت نہیں رکھتا کہ سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ کو رات میں تین مرتبہ پڑھ لے؟ یہ سورت تہائی
قرآن کے برابر ہے مسند احمد میں ہے کہ عبد اللہ بن خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پیاسے تھے رات اندھیری تھی حضورؐ کا انتظار تھا
کہ آپؐ تشریف لائیں اور نماز پڑھائیں، آپؐ تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا پڑھ میں چپکا رہا، آپؐ نے پھر فرمایا پڑھ میں
نے عرض کیا کیا پڑھوں؟ آپؐ نے فرمایا ہر صبح و شام تین تین مرتبہ سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ

اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ پڑھ لیا کر یہ کافی ہو جائیگی۔ نسائی کی ایک روایت میں ہے ہر چیز سے تجھے یہ کفایت کریگی۔ مسند کی ایک اور ضعیف حدیث میں ہے کہ جس نے ان کلمات کو دس مرتبہ پڑھ لیا اسے چالیس لاکھ نیکیاں ملیں گی۔ وہ کلمات یہ ہیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاحِدًا اَحَدًا صَمَدًا لَمْ یَتَّخِذْ صَاحِبَۃً وَّلَا وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝ اس کے راوی خلیل بن مرہ ہیں جنھیں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بہت ضعیف بتلاتے ہیں مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص اس پوری سورت کو دس مرتبہ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک محل تعمیر کریگا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ پھر تو ہم بہت سے محل بنوالیں گے آپؐ نے فرمایا خدا اس سے بھی زیادہ اور اس کو بھی اچھا دینے والا ہے دارمی میں ہے کہ دس مرتبہ پر ایک محل جنتی پر دو محل تین پر تین الخ یہ حدیث مرسل ہے۔ ابو یعلیٰ موصلی کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ جو شخص اس سورت کو پچاس مرتبہ پڑھ لے تو اس کے پچاس سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اسی کی ایک اور ضعیف سند والی حدیث میں ہے کہ جو شخص اس سورت کو ایک دن میں دو سو مرتبہ پڑھ لے اس کے لئے ایک ہزار پانچ سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں بشرطیکہ اس پر قرض نہ ہو۔ ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ اس کے پچاس سال کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں مگر یہ کہ اس پر قرض نہ ہو۔ ترمذی کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ جو شخص سونے کے لئے اپنے بستر پر جائے پھر داہنی کروٹ پر لیٹ کر سو دفعہ اس سورت کو پڑھ لے تو قیامت کے دن رب عزوجل فرمائیگا اے میرے بندے اپنی داہنی طرف سے جنت میں چلا جا۔ بزار کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ جو شخص اس سورت کو دو سو مرتبہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے دو سو سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ نسائی شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے دعا مانگ رہا ہے اپنی دعا میں کہتا ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ بِاَنِّیْٓ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝ یعنی اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بات کی گواہی دیکر کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے بے نیاز ہے نہ اس کے ماں باپ نہ اولاد نہ ہمسر اور ساتھی کوئی اور۔ آپؐ یہ سنکر فرمانے لگے اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی ہے، خدا کے اس بڑے نام کے ساتھ کہ جب کبھی اس نام کے ساتھ سوال کیا جائے تو عطا ہو اور جب اس نام کے ساتھ دعا کی جائے تو قبول ہو۔ ابو یعلیٰ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تین کام ہیں جو انھیں ایمان کے ساتھ لے کر وہ جنت کے دروازوں میں سے جس سے چاہے جنت میں چلا جائے اور جس کسی حور جنت سے چاہے نکاح کرا دیا جائے جو اپنے قاتل کو معاف کر دے، اور پوشیدہ قرض ادا کر دے، اور ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ سورۂ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۝ الخ کو پڑھ لے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہؐ جو ان تینوں کاموں میں سے ایک کرلے۔ آپؐ نے فرمایا ایک پر بھی یہی درجہ ہے طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اس سورت کو گھر میں جاتے وقت پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس گھر والوں سے اور اس کے پڑوسیوں سے فقیری دور کر دیگا۔ اس کی اسناد ضعیف ہے ف مسند ابو یعلیٰ میں ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدان تبوک میں تھے سورج ایسی روشنی نور اور شعاعوں کے ساتھ نکلا کہ ہم نے اس سے پہلے ایسا صاف شفاف روشن اور منور نہیں دیکھا تھا، حضورؐ کے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تو حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ آج سورج کی اس تیز روشنی اور زیادہ نور اور چمکیلی شعاعوں کی کیا وجہ ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا آج مدینہ میں حضرت معاویہ بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا ہے جن کے جنازے کی نماز کے لئے اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتے آسمان سے بھیجے ہیں، پوچھا ان کے کس عمل کے باعث؟ فرمایا وہ سورۂ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۝ الخ کو دن رات چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے پڑھا کرتے تھے اگر آپؐ کا ارادہ ہو تو میں زمین سمیٹ دوں اور آپؐ ان کے جنازے کی نماز ادا کر لیں؟ آپؐ نے فرمایا بہت اچھا، پس آپؐ نے ان کے جنازے کی نماز ادا کی اس حدیث کو حافظ ابو بکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب "دلائل النبوۃ" میں یزید بن ہارون کی روایت سے لائے ہیں۔ وہ علاء بن محمد سے روایت کرتے ہیں ان پر موضوع حدیثیں بیان

عہ یعنی کوئی حق العبد نہ ہو کیونکہ حقوق العباد کا مسئلہ بہت اہم ہے اور حقوق العباد میں قرض کا معاملہ نہایت شدید ہے۔ علہ اس حدیث میں کھلا ضعف یہی ہے کہ دو سو سال کی عمر تو امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کسی کی بھی نہیں۔

کرنے کا الزام ہے۔ واللہ اعلم۔ مسند ابویعلیٰ میں اس کی دوسری سند بھی ہے جس میں یہ راوی نہیں، اس میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ معاویہ بن معاویہ لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوگیا ہے کیا آپؐ ان کے جنازے کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ حضرت جبرئیلؑ نے اپنا پر زمین پر مارا تمام درخت اور سب ٹیلے وغیرہ پست ہو گئے ان کا جنازہ حضورؐ کو نظر آنے لگا، آپؐ نے نماز شروع کی اور آپؐ کے پیچھے فرشتوں کی دو صفیں تھیں ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے، آپؐ نے دریافت کیا کہ آخر اس مرتبہ کی کیا وجہ ہے؟ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا ان کی اس سورت سے محبت اور ہر وقت آتے جاتے اٹھتے بیٹھتے اس کی تلاوت، اسے بیہقی نے بھی روایت کیا ہے، اور بیہقی کی سند میں محبوب بن ہلال ہیں۔ ابو حاتم رازی فرماتے ہیں کہ یہ مشہور نہیں۔ ابو یعلیٰ میں یہ راوی نہیں۔ وہاں ان کی جگہ ابو عبداللہ بن محمود ہیں لیکن شیکبات یہ ہے کہ محبوب نہیں ہے اس روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں اور سب ضعیف ہیں ہم نے اختصار کے لئے انھیں یہاں نقل نہیں کیا، مسند احمد میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میری رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی میں نے جلدی سے آپؐ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا یا رسول اللہؐ! مومن کی نجات کس عمل پر ہے؟ آپؐ نے فرمایا اے عقبہ! زبان تھامے رکھو اپنے گھر ہی میں بیٹھا رہا کرو اور اپنی خطاؤں پر روتا رہ، پھر دوبارہ جب حضورؐ سے میری ملاقات ہوئی تو آپؐ نے خود میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا عقبہ! کیا میں تمہیں توراۃ اور انجیل اور زبور اور قرآن میں اتری ہوئی تمام سورتوں سے بہتر تین سورتیں بتا دوں؟ میں نے کہا ہاں حضورؐ ضرور ارشاد فرمائیے، اللہ تعالیٰ مجھے آپؐ پر فدا کرے، پس آپؐ نے مجھے سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ پڑھائیں پھر فرمایا دیکھو عقبہ! انھیں نہ بھولنا اور ہر رات انھیں پڑھ لیا کرنا، فرماتے ہیں پھر میں انھیں بھولا اور نہ کوئی رات ان کے پڑھے بغیر گزاری میں نے پھر آپؐ سے ملاقات کی اور جلدی کر کے آپؐ کے دست مبارک کو اپنے ہاتھ میں لیکر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! مجھے بہترین اعمال کا ارشاد فرمائیے، آپؐ نے فرمایا سن جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ۔ جو تجھے محروم رکھے تو اسے دے، جو تجھ پر ظلم کرے تو اس سے درگزر کر، اور معاف کردے، اس کا بعض حصہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی زہد کے باب میں نقل کیا ہے اور فرمایا ہے یہ حدیث حسن ہے۔ مسند احمد میں بھی اس کی ایک اور سند ہے، صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت جب بستر پر تشریف لے جاتے تو ہر رات ان تینوں سورتوں کو پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیاں ملا کر ان پر دم کر کے اپنے جسم مبارک پر پھیر لیا کرتے جہاں تک ہاتھ پہنچتے پہنچاتے، پہلے سر پر پھر منہ پر پھر اپنے سامنے کے جسم پر، تین مرتبہ اسی طرح کرتے، یہ حدیث سنن میں بھی ہے۔

سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ | وَهِيَ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝١ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝٢ لَمْ يَلِدْ ۝ وَ

آپ (ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ (اپنے کمال ذات و صفات میں) ایک ہے اللہ (ایسا) بے نیاز ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں اور اس کے سب محتاج ہیں)

لَمْ يُوْلَدْ ۝٣ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝٤

اس کے اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے

یہ معبود برحق اس کے نازل ہونے کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہود کہتے تھے ہم حضرت عزیرؑ کو پوجتے ہیں جو خدا کے بیٹے ہیں اور نصرانی کہتے تھے ہم حضرت مسیحؑ کو پوجتے ہیں جو خدا کے بیٹے ہیں اور مجوسی کہتے تھے ہم سورج چاند کی پرستش کرتے ہیں

ف بھی اپنی زبان پر قابو رکھو، کسی کو برا بھلا مت کہو، غیبت نہ کرو، جھوٹ نہ بولو، فیرحق بات منہ سے نہ نکالو، واقعہ یہ ہے کہ تمام امراض کی جڑ تو یہی زبان ہے، بلا ضرورت گھر سے نہ نکلو لوگوں کے ساتھ کم اٹھنا بیٹھنا رکھو کہ اٹھنے بیٹھنے سے آدمی سیکڑوں قسم کی برائیوں میں پھنستا ہے ف یعنی مسلمان اگر تم سے ملنا جلنا چھوڑ دیں ترک تعلق کر لیں لیکن تم اس کے باوجود ان سے بہ اخلاص برابر ملتے جلتے رہو، تعلق ختم نہ کرو۔

اور مشرک کہتے تھے ہم بُت پرست ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اُتاری کہ اے نبی ؐ تم کہہ دو کہ ہمارا معبود تو اللہ تعالیٰ ہے جو واحد اور احد ہے اس جیسا کوئی نہیں، جس کا کوئی وزیر نہیں، جسکا کوئی شریک نہیں، جس کا کوئی ہمسر نہیں، جس کا کوئی ہم جنس نہیں، جسکا برابر کوئی نہیں، جس کے سوا کسی میں الوہیت نہیں، اس لفظ کا اطلاق صرف اُسی کی ذات پاک پر ہوتا ہے، وہ اپنی صفتوں میں اور اپنے حکمت بھرے کاموں میں یکتا اور بے نظیر ہے، وہ صمد ہے یعنی ساری مخلوق اُس کی محتاج ہے اور وہ سب سے بے نیاز ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ صمد وہ ہے جو اپنی سرداری میں اپنی شرافت میں اپنی بزرگی میں اور اپنی عظمت میں اپنے حلم و علم میں اپنی حکمت و تدبر میں سب سے بڑھا ہوا ہو، یہ صفتیں صرف اللہ تعالیٰ جل شانہٗ میں ہی پائی جاتی ہیں، اُس کا ہمسر اور اُس جیسا کوئی اور نہیں وہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سب پر غالب ہے اور اپنی ذات و صفات میں یکتا اور بے نظیر ہے، صمدؔ کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جو تمام مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہے؟ جو ہمیشہ بقا والا سب کی حفاظت کرنے والا ہو، جس کی ذات لازوال اور غیر فانی ہو، حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں صمدؔ وہ ہے جو نہ کچھ کھائے، نہ اُس میں سے کچھ نکلے نہ وہ کسی میں سے نکلے یعنی نہ اُس کی اولاد ہو نہ ماں باپ، یہ تفسیر بہت عمدہ ہے اور ابن جریرؒ کی روایت سے حضرت اُبی بن کعب ؓ سے صراحتًہ منقول ہے جیسے کہ پہلے گزرا، اور بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ سے مروی ہے کہ صمدؔ کہتے ہیں ٹھوس چیز کو جو کھوکھلی نہ ہو جس کا پیٹ نہ ہو، شعبیؒ کہتے ہیں جو نہ کھاتا ہو نہ پیتا ہو، عبد اللہ بن بریدہؒ فرماتے ہیں صمدؔ وہ نور ہے جو روشن ہو اور چمک دمک والا ہو ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ صمدؔ وہ ہے جس کا پیٹ نہ ہو، لیکن اس کا مرفوع ہونا ٹھیک نہیں، صحیح یہ ہے کہ موقوف ہے، حافظ ابو القاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ’’کتاب السنۃ‘‘ میں لفظ صمدؔ کی تفسیر میں ان تمام اقوال وغیرہ کو ذکر کرکے لکھتے ہیں کہ دراصل یہ سب ٹھیک ہیں، اور صحیح ہیں یہ کُل صفتیں ہمارے ربّ عزّ وجلّ میں ہیں، اس کی طرف سب محتاج بھی ہیں وہ سب سے بڑھکر سردار اور سب سے بڑا ہے، اُسے نہ پیٹ ہے نہ وہ کھوکھلا ہے نہ وہ کھائے نہ پئے، سب فانی ہیں اور وہ باقی ہے وغیرہ، پھر فرمایا کہ اُس کی اولاد نہیں نہ اُس کے ماں باپ ہیں، نہ بیوی، جیسے اور جگہ ہے بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰی یَکُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ یعنی وہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، اُسے اولاد کیسے ہوگی؟ اُس کی بیوی نہیں، ہر چیز کو اُسی نے پیدا کیا ہے۔ یعنی وہی ہر چیز کا خالق مالک ہے، پھر اس کی مخلوق اور ملکیت میں سے اُس کی برابری اور ہمسری کرنے والا کون ہوگا، وہ ان تمام عیوب اور نقصان سے پاک ہے، جیسے اور جگہ فرمایا وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ یعنی یہ کفار کہتے ہیں کہ خدا کی اولاد ہے تم تو ایک بڑی کافری چیز لائے قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں اس بنا پر کہ انھوں نے کہا کہ خدا کی اولاد ہے، حالانکہ خدا کو یہ لائق ہی نہیں کہ اُس کی اولاد ہو تمام زمین و آسمان میں کُل کے کُل خدا کے غلام ہی بنکر آنیوالے ہیں، خدا کے پاس تمام کا شمار ہے اور انھیں ایک ایک کرکے گن رکھا ہے، اور سب کے سب تنہا تنہا اُس کے پاس قیامت کے دن حاضر ہونے والے ہیں، اور جگہ ہے وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ الخ یعنی ان کافروں نے کہا کہ رحمٰن کی اولاد ہے، خدا اُس سے پاک ہے بلکہ وہ تو خدا کے باعزت بندے ہیں، بات میں بھی اُس سے سبقت نہیں کرتے اُسی کے فرمان پر عامل ہیں، اور جگہ ہے وَجَعَلُوْا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا الخ یعنی انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اور جنات کے درمیان نسب قائم کر رکھا ہے حالانکہ جنات تو خود اس کی فرمانبرداری میں حاضر ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے بیان کردہ عیوب سے پاک و برتر ہے

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایذا دینے والی باتوں کو سنتے ہوئے صبر کرنے میں خدا سے زیادہ صابر کوئی نہیں، لوگ اس کی اولاد بتاتے ہیں اور پھر بھی وہ انھیں روزیاں دیتا ہے اور عافیت و تندرستی عطا فرماتا ہے، بخاری کی اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ اُسے ایسا نہ چاہیے مجھے گالیاں دیتا ہے اور اسے یہ لائق بھی نہ تھا، اُس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے جس طرح اوّلاً خدا نے مجھے پیدا کیا ایسے ہی پھر نہیں لوٹائیگا حالانکہ پہلی مرتبہ کی پیدائش دوسری مرتبہ کی پیدائش سے آسان تو نہ تھی جب میں اُس پر قادر ہوں تو اس پر کیوں نہیں! اور اُس کا مجھے گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے اللہ کی اولاد ہے، حالانکہ میں تنہا ہوں، میں ایک ہی ہوں، میں صمدؔ ہوں، نہ میری اولاد نہ میرے ماں باپ نہ مجھ جیسا کوئی اور۔

الحمد للہ سورۂ اخلاص کی تفسیر خدا کے فضل و کرم اور اُس کے لطف و رحم سے ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ فلق اور سورۂ ناس مدنی یا مکی

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سورت کو اور اس کے بعد کی سورت کو قرآن شریف میں نہیں لکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میری گواہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپؐ سے فرمایا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ الخ تو میں نے بھی یہی کہا، پھر فرمایا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ الخ تو میں نے یہی کہا تو ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح حضورؐ نے کہا۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان دونوں سورتوں کے بارے میں پوچھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ آپ کے بھائی حضرت ابن مسعودؓ تو ان دونوں کو قرآن شریف میں سے علیحدہ کر دیا کرتے تھے تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا مجھ سے کہا گیا تو میں نے کہا پس ہم بھی کہتے ہیں جس طرح حضورؐ نے کہا۔ ابوبکر حمیدی اپنی مسند میں بھی یہ روایت الفاظ کے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ موجود ہے۔ اور بخاری شریف میں بھی، مسند ابو یعلیٰ وغیرہ میں ہے کہ ابن مسعودؓ ان دونوں سورتوں کو قرآن شریف میں نہیں لکھتے تھے اور نہ قرآن میں انھیں شمار کرتے تھے، بلکہ قاریوں اور فقیہوں کے نزدیک مشہور بات یہی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں سورتوں کو قرآن شریف میں نہیں لکھتے تھے۔ شاید انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہو اور تواتر کے ساتھ ان تک نہ پہنچا ہو۔ پھر یہ اپنے اس قول سے رجوع کر کے جماعت کے قول کی طرف پلٹ آتے ہیں، صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ان سورتوں کو ائمہ کے قرآن میں داخل کیا جس کے نسخے ہر طرف پھیلے وللہ الحمد والمنۃ۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ چند آیتیں مجھ پر اس رات ایسی نازل ہوئی ہیں کہ ان جیسی کبھی نہیں دیکھی گئیں، پھر آپؐ نے ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی، یہ حدیث مسند احمد میں ترمذی میں اور نسائی میں بھی ہے، امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں مسند احمد میں ہے کہ حضرت عقبہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے ساتھ مدینہ کی گلیوں میں آپؐ کی سواری کی نکیل تھامے چلا جا رہا تھا کہ آپؐ نے مجھ سے فرمایا، اب آؤ تم سوار ہو جاؤ میں نے اس خیال سے کہ اگر آپؐ کی بات نہ مانوں گا تو نافرمانی ہوگی، سوار ہونا منظور کر لیا، تھوڑی دیر کے بعد میں اتر گیا اور حضورؐ سوار ہو گئے، پھر آپؐ نے فرمایا عقبہؓ! میں تجھے دو بہترین سورتیں کیا نہ سکھاؤں؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ضرور سکھا دیجئے، پس آپ نے مجھے سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ o اور سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ o پڑھائیں، پھر نماز کھڑی ہوئی آپؐ نے نماز پڑھائی اور ان ہی دونوں سورتوں کی تلاوت کی، پھر مجھ کو فرمایا تو نے دیکھ لیا؟ سن تو جب سوئے اور جب کھڑا ہو انھیں پڑھ لیا کر، ترمذی ابوداؤد اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے وقت ان سورتوں کی تلاوت کا حکم دیا، یہ حدیث بھی ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں ہے، امام ترمذیؒ اسے غریب بتلاتے ہیں، اور روایت میں ہے کہ ان جیسی سورتیں تو نے پڑھی ہی نہیں، حضرت عقبہؓ والی حدیث جس میں حضورؐ کی سواری کے ساتھ آپ کا ہونا مذکور ہے، اس کے بعض طرق میں یہ بھی ہے کہ جب حضورؐ نے مجھے یہ سورتیں بتلائیں تو مجھے کچھ زیادہ خوش ہوتے نہ دیکھ کر فرمایا کہ شاید تو انھیں چھوٹی سی سورتیں سمجھتا ہے سن نماز کے قیام میں ان جیسی سورتوں کی قرأت اور ہے ہی نہیں، نسائی شریف کی حدیث میں ہے کہ ان جیسی سورتیں کسی پناہ پکڑنے والے کے لئے اور نہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عقبہؓ سے یہ سورتیں حضورؐ نے پڑھوائیں پھر فرمایا کہ ان جیسی پناہ مانگنے کی اور سورتیں نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ صبح کی فرض نماز حضورؐ نے ان ہی دونوں سورتوں سے پڑھائی۔ اور

ف: سورۂ اخلاص کے فضائل پر بڑی سیر حاصل بحث تو ابن کثیرؒ نے کر لی۔ لیکن صاحب تفسیر کبیر کی یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس طرح سورۂ کوثر شان رسالت میں کامل و مکمل ہے ایسے ہی سورۂ اخلاص توحید کے باب میں اپنی نظیر نہیں رکھتی توحید ذاتی توحید صفاتی اور توحید افعالی کے لحاظ کو یہ سورت عدیم النظیر ہے اور اسی وجہ سے اسکو حدیث میں اسکو ثلث قرآن قرار دیا گیا کیونکہ پورے قرآن کریم میں یہی تین اہم مضامین تفصیل سے آگئے ہیں یعنی توحید ذاتی توحید صفاتی اور توحید افعالی، بعض محققین نے لکھا ہے کہ اجر و ثواب کے اعتبار سے سورۂ اخلاص کو پڑھنے پر اتنا ثواب ملتا ہے جتنا کہ ثلث قرآن کی تلاوت پر، علاوہ ازیں صفحہ نمبر دکھلانے کے لئے نماز ان سورتوں کی قرأت سے بھی ہو جاتی ہے اگرچہ لمبی سورتوں کی قرأت بہر حال افضل ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضرت عقبہؓ حضورؐ کی سواری کے پیچھے جاتے ہیں اور آپؐ کے قدم پر ہاتھ رکھکر عرض کرتے ہیں حضورؐ مجھے سورۂ ہود یا سورۂ یوسف پڑھا دیجئے، آپؐ نے فرمایا خدا کے پاس نفع دینے والی کوئی سورت قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ سے زیادہ نہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہیں نہ بتاؤں کہ پناہ حاصل کرنے والوں کے لئے ان دونوں سورتوں سے افضل سورت اور کوئی نہیں، پس بہت سی حدیثیں اپنے تواتر کی وجہ سے اکثر علماء کے نزدیک قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں، اور وہ حدیث بھی بیان ہو چکی کہ آپؐ نے ان دونوں سورتوں اور سورۂ اخلاص کی نسبت فرمایا کہ چاروں کتابوں میں ان جیسی سورتیں نہیں اُتریں، نسائی وغیرہ میں ہے کہ ہم حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، سواریاں کم تھیں باری باری سوار ہوتے تھے، حضرتؐ نے ایک شخص کے مونڈھوں پر ہاتھ رکھکر یہ دونوں سورتیں پڑھائیں اور فرمایا جب نماز پڑھے تو انہیں پڑھا کر، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص حضرت عقبہ بن عامرؓ ہوں گے، واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہ بن اسلمؓ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر آپؐ نے فرمایا کہہ! وہ نہ سمجھے کہ کیا کہیں، پھر فرمایا کہہ تو انھوں نے سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ پڑھی، آپؐ نے فرمایا کہہ پھر سورۂ فلق پڑھی، آپؐ نے پھر بھی یہی فرمایا تو سورۂ ناس پڑھی تو آپؐ نے فرمایا اسی طرح پناہ مانگا کر اس جیسی پناہ مانگنے کی اور سورتیں نہیں۔ (نسائی) نسائی کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت جابرؓ سے یہ دونوں سورتیں آپؐ نے پڑھوائیں، پھر فرمایا انھیں پڑھتا رہ ان جیسی سورتیں تو اور نہ پڑھے گا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی وہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ حضورؐ انھیں پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک کر اپنے سر چہرے اور جسم پر پھیر لیتے تھے۔ مؤطا امام مالکؒ میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پڑتے تو ان دونوں سورتوں کو پڑھ کر اپنے اوپر پھونک لیا کرتے تھے، جب آپؐ کی بیماری سخت ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا معوذات پڑھکر خود آپؐ کے ہاتھوں کو آپؐ کے جسم مبارک پر پھیرتی تھیں، اور اس سے مقصد آپؐ کے ہاتھوں کی برکت کا ہونا تھا۔ سورۂ ن کی تفسیر کے آخر میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی اور انسانوں کی آنکھوں سے پناہ مانگا کرتے تھے جب یہ دونوں سورتیں اُتریں تو آپ نے انھیں لے لیا۔ اور باقی سب چھوڑ دیں، امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح فرماتے ہیں۔

سورۃ الفلق مدنیۃ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — وهي خمس آيات

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿١﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿٢﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا

آپ کہہ دیجئے (اپنے استعاذہ کیلئے) کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوقات کے شر سے اور (بالخصوص) اندھیری رات کے شر سے جب وہ

وَقَبَ ﴿٣﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ﴿٤﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿٥﴾ ع

رات آجاوے (اور شب میں شرور کا احتمال ظاہر ہے) اور (بالخصوص) گنڈے کی گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے

پناہ اُس مقتدر کامل کی

حضرت جابرؓ وغیرہ فرماتے ہیں فلق کہتے ہیں صبح کو خود قرآن میں اور جگہ ہے فَالِقُ الْاِصْبَاحِ۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ فلق سے مراد مخلوق ہے حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فلق جہنم میں ایک جگہ ہے جب اس کا دروازہ کھلتا ہے تو اس کی آگ کی گرمی اور سختی کی وجہ سے تمام جہنمی چیخنے لگتے ہیں، ایک مرفوع حدیث میں بھی اسی کے قریب قریب ہے لیکن وہ حدیث منکر ہے۔ یہ بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ جہنم کا نام ہے، امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ ٹھیک قول پہلا ہی ہے۔ یعنی مراد اس سے صبح ہے امام بخاریؒ بھی یہی فرماتے ہیں، اور یہی صحیح ہے۔ تمام مخلوق کی برائی سے جس میں جہنم بھی داخل ہے، اور ابلیس اور اولاد ابلیس بھی، غَاسِقٍ سے مراد رات ہے۔ اِذَا وَقَبَ سے سورج کا غروب ہو جانا مراد ہے، یعنی رات جب اندھیرا لئے ہوئے آجائے۔ ابن زیدؒ کہتے ہیں کہ عرب ثریا ستارے کے غروب ہونے کو غَاسِقٍ کہتے ہیں۔ بیماریاں اور وبائیں اس کے واقع ہونے کے وقت بڑھ جاتی تھیں اور اس کے طلوع ہونے کے وقت اٹھ جاتی تھیں

عہ یعنی اس مقصد کے لئے صرف انھیں سورتوں کا پڑھنا شروع کیا اور پہلے سے پڑھنے کا جو معمول تھا اس کو چھوڑ دیا عہ یعنی مشرکین عرب کے عقیدہ کے مطابق۔

ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ستارہ غاسق ہے، لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں، بعض مفسرین کہتے ہیں کہ مراد اس سے چاند ہے، ان کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہاتھ تھامے ہوئے چاند کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس غاسق کی برائی سے پناہ مانگ، اور روایت میں ہے کہ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ سے یہی مراد ہے، دونوں قولوں میں بآسانی یہ تطبیق ہو سکتی ہے کہ چاند کا چڑھنا اور ستاروں کا ظاہر ہونا وغیرہ، یہ سب رات ہی کے وقت ہوتا ہے جب رات آجاتے۔ واللہ اعلم۔ گرہ لگا کر پھونکنے والیوں سے مراد جادوگر عورتیں ہیں، حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شرک کے بالکل قریب وہ منتر ہیں جنھیں پڑھ کر سانپ کے کاٹے پر دم کیا جاتا ہے اور آسیب زدہ پر۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ بیمار ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ دعا پڑھی بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ دَاءٍ يُّؤْذِيْكَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدٍ وَّعَيْنٍ اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے میں دم کرتا ہوں ہر اس بیماری سے جو تجھے دکھ پہنچائے، اور ہر حاسد کی برائی اور بدنظر سے اللہ تعالیٰ تجھے شفا دے، اس بیماری سے مراد شاید وہ بیماری ہے جب کہ آپؐ پر جادو کیا گیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو عافیت اور شفا بخشی، اور حاسد یہودیوں کے جادو کے مکر کو ختم کر دیا، اور ان کی تدبیروں کو بے اثر کر دیا، اور انھیں رسوا اور ذلیل کیا، لیکن باوجود اس کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اپنے اوپر جادو کرنے والے کو ڈانٹا ڈپٹا تک نہیں۔ خدا نے تعالیٰ نے آپؐ کی حفاظت کی اور آپؐ کو عافیت اور شفا عطا فرمائی۔ مسند احمد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہودی نے جادو کیا جس سے کئی دن تک آپؐ بیمار رہے پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر بتایا کہ فلاں یہودی نے آپؐ پر جادو کیا ہے، اور فلاں فلاں کنوئیں میں گرہیں لگا کر رکھا ہے آپؐ کسی کو بھیج کر اسے نکلوا لیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی بھیجا اور اس کنوئیں سے وہ جادو نکلوا لیا۔ گرہیں کھول دیں سارا اثر جاتا رہا پھر نہ تو آپؐ نے اس یہودی سے کبھی اس کا ذکر کیا اور نہ کبھی اس کے سامنے اظہار خفگی کیا۔ صحیح بخاری شریف کتاب الطب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا، آپؐ سمجھتے تھے کہ آپؐ ازواج مطہرات رضؓ کے پاس آتے حالانکہ نہ آتے تھے۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ یہی سب سے بڑا جادو کا اثر ہے جب یہ حالت آپؐ کی ہو گئی! ایک دن آپؐ فرمانے لگے کہ عائشہ! میں نے اپنے رب سے پوچھا اور میرے پروردگار نے بتلا دیا دو شخص آئے ایک میرے سرہانے بیٹھا ایک پائنتی۔ سرہانے والے نے اس دوسرے سے پوچھا ان کا کیا حال ہے؟ دوسرے نے کہا ان پر جادو کیا گیا ہے، پوچھا کس نے جادو کیا ہے؟ کہا لبید بن اعصم نے جو بنو زریق کے قبیلے کا ہے جو یہودی کا حلیف ہے اور منافق شخص ہے، کہا کس چیز میں؟ کہا سر کے بالوں اور کنگھی میں، پوچھا وہ دکھاؤ کہاں ہے؟ کہا نر کھجور کے درخت کی چھال میں پتھر کی چٹان تلے ذروان کے کنوئیں میں پھر حضور علیہ السلام اس کنوئیں کے پاس تشریف لائے اور اس میں سے وہ نکلوا لیا، اس کا پانی ایسا تھا گویا مہندی کا گدلا پانی۔ اس کے پاس کھجوروں کے درخت شیطانوں کے سر جیسے۔ میں نے کہا بھی کہ یا رسول اللہ! ان سے بدلہ لینا چاہیئے آپؐ نے فرمایا الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تو شفا دیدی اور میں لوگوں میں برائی پھیلانا پسند نہیں کرتا دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک کام کرتے نہ تھے اور اس کے اثر سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا کہ میں کر چکا ہوں![1] اور یہ بھی ہے کہ اس کنوئیں کو آپؐ کے حکم سے بند کر دیا گیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ چھ مہینے تک آپؐ کی یہی حالت رہی۔ تفسیر ثعلبی میں حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ یہود کا ایک بچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا اسے یہودیوں نے بہکا سکھا کر آپؐ کے چند بال اور آپؐ کی کنگھی کے چند دندانے منگوا لئے اور

---

[1] یعنی نسیان اور بھول جانے کا غلبہ آپؐ پر اس قدر ہو گیا تھا کہ ایک چیز آپؐ کرتے تک نہ تھے اور خیال آپؐ کو یہ ہوتا کہ میں یہ امر کر چکا ہوں، حضرت سیدنا الامام مولانا انور شاہ صاحب کشمیری مرحوم نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ جادو کی ایک قسم ایسی ہے جس سے مرد کی قوت مجامعت کو باندھ دیا جاتا ہے جس کے بعد وہ ہمبستری کرنے کے قابل نہیں رہتا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح کا سحر کیا گیا تھا لکھا ہے کہ حدیث میں جو الفاظ آئے ہیں وہ مردانگی کی قوت کو باندھنے کے لئے ہی عربی میں استعمال ہوتے ہیں۔

ان میں جادو کیا، اس کام میں زیادہ تر کوشش کرنے والا لبید بن اعصم تھا۔ پھر ذروان نامی کنوئیں میں جو بنو زریق کا تھا اس میں ڈال دیا
پھر حضورؐ بیمار ہو گئے، سر کے بال جھڑنے لگے، خیال آتا تھا کہ میں عورتوں کے پاس ہو آیا حالانکہ آتے نہ تھے گو آپؐ اسے دور کرنے کی کوشش
میں تھے لیکن وجہ معلوم نہ ہوتی تھی چھ ماہ تک یہی حالت رہی پھر وہ واقعہ ہوا۔ جو اوپر بیان کیا کہ فرشتوں کے ذریعہ آپؐ کو اس تمام حال کا
علم ہو گیا۔ اور آپؐ نے حضرت علیؓ کو حضرت زبیرؓ کو اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھیجکر کنوئیں میں سے وہ سب چیزیں
نکلوائیں، ان میں ایک تانت تھی جس میں بارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں، اور ہر گرہ پر ایک سوئی چبھی ہوئی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں سورتیں
اتاریں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک آیت ان کی پڑھتے جاتے تھے اور ایک گرہ اس کی خود بخود کھلتی جاتی تھی، جب یہ دونوں
سورتیں پوری ہوئیں وہ سب گرہیں کھل گئیں، اور آپؐ بالکل شفایاب ہو گئے، ادھر جبرئیل علیہ السلام نے وہ دعا پڑھی، جو اوپر گزر چکی
ہے لوگوں نے کہا حضورؐ! ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اس خبیث کو پکڑ کر قتل کر دیں، آپؐ نے فرمایا نہیں۔ خدا تعالیٰ نے تو مجھے تندرستی عطا فرمائی
اور میں لوگوں میں شر و فساد پھیلانا نہیں چاہتا۔ یہ روایت تفسیر ثعلبی میں بلا سند مروی ہے، اس میں غرابت بھی ہے اور اس کے بعض حصے میں
سخت نکارت ہے اور بعض کے شواہد بھی ہیں جو پہلے بیان ہو چکے واللہ اعلم۔

سورۃ الناس مدنیۃ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	وھی ست آیات

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ② اِلٰهِ النَّاسِ ③

آپ کہئے (جس طرح کہ نقل میں گزرا) کہ میں آدمیوں کے مالک آدمیوں کے بادشاہ آدمیوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۵ الْخَنَّاسِ ④ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ

وسوسہ ڈالنے پیچھے ہٹ جانے والے (شیطان) کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں

صُدُوْرِ النَّاسِ ⑤ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ⑥ ع ۱

وسوسہ ڈالتا ہے خواہ وہ (وسوسہ ڈالنے والا) جن ہو یا آدمی ہو

رب الناس اس میں اللہ تعالیٰ عز و جل کی تین صفات بیان ہوئی ہیں پہلے یہ کہ پالنے اور پرورش کرنے والے ہیں مالک اور شہنشاہ ہیں
اور عزت والے ہی معبود لائق عبادت ہیں۔ تمام چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور اسی کی ملکیت میں ہیں ... میں مشغول ... کا
ان پاک اور برتر صفات والے خدا کی پناہ میں آجائے۔ جو بھی پناہ اور حفاظت کا طالب ہو، شیطان جو انسان پر مقرر ہے اس کے
وسوسوں سے وہی بچانے والا ہے، ہر انسان کے ساتھ یہ ہے، برائیوں اور بدکاریوں کو خوب آراستہ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتا رہتا
ہے اور بہکانے میں کوئی کمی نہیں کرتا۔ اس کے شر سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جسے خدا بچا لے، صحیح حدیث شریف میں ہے کہ تم میں سے
ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان ہے لوگوں نے عرض کیا۔ کیا آپؐ کے ساتھ بھی؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد فرمائی ہے
بس میں سلامت رہتا ہوں، وہ مجھے صرف نیکی اور بھلائی کی بات ہی کہتا ہے (بخاری، مسلم) اور حدیث میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ع یہ بات ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام انسان ہی ہوتے ہیں اسلئے ان پر وہی چیزیں بھی اثر ڈالتی ہیں جو عام انسانوں کے حق میں مضر ہوں اور نفع بھی اچھی
چیزوں سے پہنچتا ہے جس سے دوسروں کو نفع پہنچے! اسلئے یہ سمجھنا کہ سحر کا اثر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے ہو گیا؟ اور اثر سحر کیا منافی نبوت ہے غلط خیال ہے
عہ یعنی اس کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور میں نے اسکو مغلوب کر لیا چنانچہ وہ مجھکو برائی کی طرف متوجہ نہیں کر سکتا۔ عہ مسخر ہونے کے بعد
شیطان آپؐ کے ساتھ وہی معاملہ کرنے لگا جو آپؐ کا اصل مزاج تھا یعنی خیر و نیکی میں انہماک۔

کی زبانی ایک واقعہ منقول ہے جس میں بیان ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں تھے تو ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپؐ کے پاس رات کے وقت آئیں جب واپس جانے لگیں تو حضورؐ بھی پہنچانے کے لئے ساتھ چلے، راستے میں دو انصاری صحابیؓ مل گئے جو آپؐ کو بی بی صاحبہ کے ساتھ دیکھ کر جلدی چل دیئے۔ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آواز دیکر ٹھیرایا اور فرمایا سنو! میرے ساتھ میری بیوی صفیہ بنت حیی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہیں، انھوں نے کہا سبحان اللہ یا رسول اللہؐ اس فرمانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ آپؐ نے فرمایا انسان کے خون کے جاری ہونے کی جگہ میں شیطان گھومتا پھرتا رہتا ہے، مجھے خیال ہوا کہ کہیں تمہارے دلوں میں وہ کوئی بدگمانی نہ ڈال دے۔[عہ] حافظ ابو یعلیٰ موصلی نے ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شیطان اپنا ہاتھ انسان کے دل پر رکھے ہوئے ہے اگر یہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تب تو اس کا ہاتھ ہٹ جاتا ہے، اور اگر یہ ذکر اللہ بھول جاتا ہے تو وہ اس کے دل پر پورا قبضہ کر لیتا ہے، یہی وسواس الخناس ہے، یہ حدیث غریب ہے مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گدھے پر سوار ہو کر کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک صحابیؓ آپؐ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، گدھے نے ٹھوکر کھائی تو ان کے منہ سے نکلا شیطان برباد ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں نہ کہو اس سے شیطان بڑھ جاتا ہے کہ میں نے اپنی قوت سے گرادیا ہے[عہ] اور جب تم بسم اللہ کہو تو وہ گھٹ جاتا ہے یہاں تک کہ مکھی کے برابر ہو جاتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ذکر اللہ سے شیطان پست اور مغلوب ہو جاتا ہے، اور اس کے چھوڑ دینے سے وہ بڑا ہو جاتا ہے اور غالب آجاتا ہے مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں ہوتا ہے اس کے پاس شیطان آتا ہے، اور اسے تھپکتا اور بہلاتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے جانور کو بہلاتا ہو۔ پھر اگر وہ خاموش رہا تو وہ ناک میں نکیل یا منہ میں لگام چڑھا دیتا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان فرما کر فرمایا کہ تم خود اسے دیکھتے ہو۔ نکیل والا تو وہ ہے جو ایک طرف جھکا کھڑا ہو اور اللہ کا ذکر نہ کرتا ہو، اور لگام والا وہ ہے جو منہ کھولے ہوئے ہو۔ اور اللہ کا ذکر نہ کرتا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ شیطان ابن آدم کے دل پر قبضہ کئے ہوئے ہے جہاں یہ بھولا اور غفلت کی اس نے وسوسے ڈالنے شروع کئے، اور جہاں اس نے ذکر اللہ کیا اور یہ پیچھے ہٹا۔ سلیمانؒ فرماتے ہیں مجھ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ شیطان راحت و رنج کے وقت انسان کے دل میں سوراخ کرنا چاہتا ہے، یعنی اسے بہکانا چاہتا ہے، اگر یہ خدا کا ذکر کرے تو یہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ شیطان برائی سکھاتا ہے جہاں انسان نے اس کی مان لی پھر ہٹ جاتا ہے پھر فرمایا جو وسوسے ڈالتا ہے لوگوں کے سینے میں لفظ ناس جو انسان کے معنے میں ہے اس کا اطلاق جنوں پر بھی بطور غلبہ کے آجاتا ہے، قرآن شریف میں اور جگہ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ کہا گیا ہے، تو جنات کو لفظ ناس میں داخل کر لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ غرض یہ ہے کہ شیطان جنات کے اور انسان کے سینے میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے، اس کے بعد کے جملے مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جن کے سینوں میں شیطان وسوسے ڈالتا ہے وہ جن بھی ہیں اور انسان بھی، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ وسواس ڈالنے والا خواہ کوئی جن ہو یا انسان، جیسے اور جگہ ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۝ یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبیؐ کے دشمن انسانی اور جناتی شیطان بنائے ہیں، ایک دوسرے کے کان میں دھوکے کی باتیں بنا سنوار کر ڈالتے رہتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں آیا اور بیٹھ گیا، آپؐ نے فرمایا نماز بھی پڑھی؟ میں نے کہا نہیں، فرمایا کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعتیں ادا کرلو، میں اٹھا اور دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھ گیا۔ آپؐ نے فرمایا اے ابوذرؓ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔ انسان شیطانوں

عہ اور تم یہ سمجھو کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی غیر محرم تھی۔ عہ اور وہ سمجھتا ہے کہ جو حادثہ پیش آیا انسان اس کو میری قوت کا کرشمہ سمجھ رہا ہے اور پھر وہ خوب خوش ہوتا ہے اور اگر انسان تمام طاقتوں کا مظہر بس صرف خدا تعالیٰ ہی کو قرار دے جس کا ایک مظہر بسم اللہ ہے تو وہ رنجیدہ ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ انسان نے مجھکو کوئی اہمیت نہیں دی۔ عہ اس لئے کہ اب اس کا مقصد حاصل ہوگیا اب ٹھہرنے کی کیا ضرورت۔

اور جن شیطان سے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا انسانی شیطان بھی ہوتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں، میں نے کہا یا رسول اللہؐ! نماز کیسی چیز ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا بہترین چیز ہے، جو چاہے کم کرے جو چاہے زیادتی کرے؟ میں نے عرض کیا روزہ؟ فرمایا کافی ہونے والا فرض ہے اور خدا کے پاس زیادتی ہے۔ میں نے پھر پوچھا صدقہ؟ حضورؐ نے فرمایا بہت ہی بڑھا چڑھا کر کئی کئی گنا کرکے بدلہ دیا جائیگا۔ میں نے پھر عرض کی حضورؐ کونسا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا باوجود مال کی کمی کے صدقہ کرنا یا چپکے سے چھپا کر کسی مسکین فقیر کے ساتھ سلوک کرنا، میں نے سوال کیا حضورؐ! سب سے پہلے نبی کون تھے؟ آپؐ نے فرمایا حضرت آدم (علیہ السلام) میں نے کہا کیا وہ نبیؑ تھے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں نہ صرف انبیاء میں سے تھے۔ جن سے خدائے تعالیٰ نے کلام فرمایا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! رسولؐ کتنے ہوئے فرمایا تین سو کچھ اوپر دس بہت بڑی جماعت، اور کبھی فرمایا تین سو پندرہ، میں نے کہا یا رسول اللہؐ! جو کچھ آپؐ پر نازل کیا گیا ان میں سب سے بڑی عظمت والی آیت کونسی ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا آیت الکرسی اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۔ یہ حدیث نسائی میں بھی ہے، اور ابو حاتم بن حبان کی "صحیح ابن حبان" میں تو دوسری سند سے دوسرے الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بہت بڑی ہے، واللہ اعلم۔ مسند احمد کی ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے دل میں تو ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ ان کا زبان سے نکالنا مجھ پر آسمان پر سے گر پڑنے سے بھی زیادہ برا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد و ثنا ہے، جس نے شیطان کے مکر و فریب کو وسوسے میں ہی لوٹا دیا۔ یہ حدیث ابو داؤد اور نسائی میں بھی ہے

الحمد للہ سورۃ ناس کی تفسیر ختم ہوئی۔

عہ جو بھی دوسروں کو گمراہ کرے شیطان کا کردار ادا کرنے کی وجہ سے وہ شیطان ہی کہلائے گا۔ عہ یعنی فرائض کے علاوہ نوافل وغیرہ جو چاہے بکثرت پڑھے اور چاہے کم لیکن فرائض میں تو کوئی کمی ہو ہی نہیں سکتی ہے۔ عہ یعنی مسلمان اگر روزہ اخلاص کے ساتھ رکھے تو اس کو یہی کافی ہوگا۔ خدا تعالیٰ کے عذاب کو روکنے اور رحمت کو حاصل کرنے کا ایک قوی ذریعہ اور کافی و افی علاج یہی روزہ ہے۔ عہ یعنی اللہ تعالیٰ واجبی اجر جتنا چاہیں اضافہ فرما سکتے ہیں۔ عہ یعنی ایسے برے خیالات دل میں آتے ہیں کہ ان کو میں زبان سے کہہ بھی نہیں سکتا۔ ظاہر ہے کہ برے خیالات پر اتنی نفرت اور رنج کہ آدمی اس کو زبان سے کہنا بھی گوارا نہ کرے خود اسلام اور ایمان کی کھلی دلیل ہے رہا دل تو وہ وساوس سے خالی نہیں ہو سکتا۔ زبان اپنے کنٹرول میں ہے اس کا اظہار نہ کرنا عین ایمان ہے اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسرت کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ تمہارا معاملہ وساوس تک ہے جس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ ہاں بدعملی سے محفوظ رہنا، کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اسی پر آتا ہے۔ عہ بعض محققین نے لکھا ہے کہ سورۃ فلق میں دنیاوی نقصانات سے محفوظ رہنے کی مکمل تدبیر زیر بحث تھی تو سورۃ والناس میں دینی مضرتوں سے حفاظت کی کامل تعلیم ہے اور اسی لئے اس سورت پر ختم قرآن مجید مناسب ہے۔

الحمد للہ تفسیر ابن کثیر مکمل ہو گئی۔ خداوند تعالیٰ ہم سب کو قرآن مجید کی صحیح سمجھ دے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝